ناموس صحابہؓ واہلبیت کے تحفظ کے لئے انتھک جدوجہد کرنے والے
مجاہدین اسیران سپاہ صحابہؓ کی داستان

گرفتاری سے سزائے موت کے حکم تک

مصنف
مولانا عبدالغفور ندیم شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر
مکتبہ ندیم شہیدؒ جامع مسجد صدیق اکبرؓ، ناگن چورنگی، نارتھ کراچی

ناموس صحابہؓ واہلبیت کے تحفظ کے لئے انتھک جدوجہد کرنے والے

مجاہدین اسیران سپاہ صحابہؓ

گرفتاری

سے

سزائے موت

کے حکم تک

مصنف

حضرت مولانا عبدالغفور ندیم شہیدؒ

ناشر

مکتبہ ندیم شہیدؒ

جامع مسجد صدیق اکبرؓ، ناگن چورنگی، نارتھ کراچی۔

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب .... گرفتاری سے سزائے موت کے حکم تک

مؤلف .... مولانا عبدالغفور ندیم شہیدؒ

سن طباعت .... مارچ ۲۰۱۳ء

ناشر .... مکتبہ ندیم شہیدؒ

جامع مسجد صدیق اکبرؓ شاہ ولی اللہ چورنگی (ناگن چورنگی) نارتھ کراچی

علمائے کرام کی تقاریر کی کیسٹ اور سی ڈیز کا واحد مرکز

اور اس کے علاوہ ہمارے یہاں کیسٹ اور سی ڈیز کی ڈبنگ

آڈر پر بھی کی جاتی ہے

بیانات، نعتیں اور نظمیں وغیرہ موبائل فون، میموری کارڈ اور

یو ایس بی میں بھی ڈاؤن لوڈ کی جاتی ہیں

جامع مسجد صدیق اکبرؓ شاہ ولی اللہ چورنگی (ناگن چورنگی) نارتھ کراچی

رابطہ: 0333-3415180 - 0322-3189997

انتساب

اپنی اس رفیقۂ حیات کے نام۔جس نے میری گرفتاری کے بعد صبر واستقامت کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے حوالات اور جیل میں میری ضروریات وخواہشات کا ہر طرح خیال رکھا۔

ان کی دعائے سحر گاہی اور وفاؤں کی بناء پر عرصۂ نظر بندی گزارنا میرے لئے آسان ہوا۔اللہ ان کا حامی وناصر ہو۔آمین

(عبدالغفور ندیم)

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
01	پیش لفظ	07
02	جرم وسزا	12
03	قاری سعید الرحمن کی شہادت	12
04	مقامی تھانے کی بے حسی	13
05	مولانا اعظم طارق کی آمد	13
06	۱۸ دسمبر ہڑتال	14
07	میری گرفتاری	14
08	جیل آمد	15
09	جیل کی جنت	15
10	مدرسہ کے اوقات	16
11	سہولتیں	16
12	جمعہ کا آغاز	16
13	سپرنٹنڈنٹ سے پہلی ملاقات	18
14	اہل خانہ سے ملاقات	19
15	انجینئر محمد الیاس زبیر کی گرفتاری	20
16	۲۰ روزہ ریمانڈ	21
17	ریمانڈ کی حقیقت	21
18	ریمانڈ کی مختلف شکلیں	22
19	الیاس زبیر کی داستان الم	25
20	حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ کی گرفتاری	27
21	تین خطرناک مقدمے	27

22	حافظ صاحب آئی جی سیل میں	28
23	پولیس اور حافظ صاحب کے درمیان مکالمے	28
24	طارق محمود مدنی کی گرفتاری	31
25	حافظ صاحب اور طارق مدنی کا دوسرا ریمانڈ	31
26	طارق مدنی کی رہائی اور گرفتاری	33
27	طارق مدنی کی رہائی	33
28	حافظ صاحب کی آپ بیتی	34
29	ریمانڈ کی اصل وجہ	34
30	اسلحہ میں دونگا کام تم کرو	35
31	سرکاری بربریت کی انتہا	36
32	جرم تسلیم کرلو ورنہ جان سے ماردیں گے	37
33	نذر آتش کرنے کی کوشش	38
34	سپاہ صحابہؓ اس دور کا سب سے بڑا فتنہ	38
35	حافظ صاحب کا تیسرا ریمانڈ	39
36	ریمانڈ لینے والی ٹیم	39
37	ذہنی اذیت	40
38	جیل میں عیدالاضحیٰ	42
39	قیدی کی عید	42
40	حافظ صاحب سے ملاقات	43
41	خواجہ سلیم الدین کی گرفتاری	43
42	کربناک نظارہ	44
43	بندوارڈ کیا ہے؟	46
44	حافظ صاحب کا اخباری بیان	46
45	دوسرے ساتھیوں پر سختیاں	47

46	ماہانہ بھتہ	47
47	مقدمات کی سماعت	48
48	بیڑی کی رعایت اور پھر پابندی	48
49	بارہ آدمی ایک زنجیر میں	49
50	دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی	49
51	سات دن میں فیصلہ	49
52	مشتاق کو پھانسی	51
53	حافظ! تمہیں بھی اسی طرح پھانسی پر لٹکایا جائیگا	51
54	تین ملزمان کی شناخت	52
55	گواہ جھوٹے ثابت ہوئے	53
56	مجھے پتہ نہیں	53
57	پولیس کی گواہی	54
58	پولیس افسران کی رائے	54
59	عدالتی عملہ کی رائے	54
60	سزائے عمر قید	54
61	رہائی کی افواہیں	55
62	رہائی کی کوششیں	55
63	اعظم طارق روپوش ہو گئے	55
64	مولانا فاروقی کی گرفتاری اور رہائی	56
65	مولانا اعظم طارق کی گرفتاری	56
66	پنجاب اسمبلی معطل اعظم طارق رہا	56
67	جونیجو لیگ کی حمایت کا فیصلہ	56
68	شیخ حاکم علی صوبائی وزیر بن گئے	57
69	مولانا اعظم طارق کی عمرے پر روانگی اور کراچی واپسی	57

70	مولانا کی جیل میں کارکنوں سے ملاقات	57
71	مرکزی قائدین کی دوبارہ گرفتاری	58
72	خصوصی عدالت کا فیصلہ "سزائے موت"	59
73	میری حالت زار	59
74	تاخیر کی وجہ	60
75	انصاف کا جنازہ	60
76	فیصلے کی تاریخ	61
77	عدالت کا منظر	61
78	عدالت سے واپسی اور پھانسی وارڈ	62
79	سزایافتہ قیدیوں کا لباس	63
80	جیل میں سناٹا	63
81	پھانسی وارڈ	64
82	سزائے موت کے قیدیوں کی ملاقات	64
83	روزانہ ملاقات	65
84	پھانسی کا وقت	65
85	دارالقرآن میں سوگ کی کیفیت	66
86	اسیر راہنماؤں کا کھلا خط	68
87	عزم نو (نظم)	73
88	استقامت (نظم)	74
89	قیدی کے جذبات (نظم)	75
90	قیدی کی عید (نظم)	76
91	خصوصی عدالت کا فیصلہ (نظم)	77

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

ستیزہ کار رہا ہے اول سے تا امروز

چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

تاریخ عالم شاہد ہے کہ ہر دور میں حق اور باطل کے درمیان آویزش اور معرکہ آرائی رہی ہے اور اہل حق کو ہمیشہ مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ وہ انبیاءؑ کا دور ہو یا صحابہ کرامؓ کا، تابعینؒ کا دور ہو یا تبع تابعینؒ کا، متقدمین کا دور ہو یا متاخرین کا، اہل حق ہمیشہ باطل کے مظالم و شدائد کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔

اگر ایک طرف حضرت آدم علیہ السلام کی تاریخ ہے تو ان کے مقابلے میں دوسری طرف ابلیس ملعون کی تاریخ ہے۔ اگر ایک طرف حضرت ابراہیمؑ کی تاریخ ہے تو دوسری طرف نمرود کی تاریخ ہے۔ اگر ایک طرف موسیٰؑ کی تاریخ ہے تو دوسری طرف فرعون کی تاریخ ہے۔ اگر ایک طرف عیسیٰؑ کی تاریخ ہے تو دوسری طرف بنی اسرائیل کی تاریخ ہے۔ اگر ایک طرف سیدنا صدیق اکبرؓ کی تاریخ ہے تو دوسری طرف مسیلمہ کذاب کی تاریخ ہے۔ اگر ایک طرف سیدنا فاروق اعظمؓ کی تاریخ ہے تو دوسری طرف قیصر و کسریٰ کی تاریخ ہے۔ اگر ایک طرف سیدنا عثمان غنیؓ کی تاریخ ہے تو دوسری طرف عجمی منافقین کی ناپاک سازش ہے۔ ایک طرف سیدنا علی المرتضیٰؓ ہیں تو دوسری طرف ابن سبا ہے۔ اگر ایک طرف حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ ہیں تو دوسری طرف پاپائے روم کی سلطنت ہے۔ اگر ایک طرف حضرت سعید بن جبیرؒ ہیں تو دوسری طرف حجاج بن یوسف کے مظالم ہیں۔ اگر ایک طرف امام اعظم ابو حنیفہؒ ہیں تو دوسری طرف معتصم باللہ۔ اگر ایک طرف امام احمد بن حنبلؒ ہیں تو دوسری طرف خلیفہ منصور ہے۔ اگر ایک طرف امام ابن تیمیہؒ ہیں تو دوسری طرف فتنۂ تاتار ہے۔ اگر ایک طرف امام غزالیؒ ہیں تو دوسری طرف نظام الملک بادشاہ ہے۔ اگر ایک طرف حضرت مجدد الف ثانیؒ ہیں تو دوسری طرف جلال الدین اکبر ہے۔ اگر ایک

طرف حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ ہیں تو دوسری طرف راجہ رنجیت سنگھ ہے۔ اگر ایک طرف شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ہیں تو دوسری طرف فرنگی سامراج ہے۔ اگر ایک طرف سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں تو دوسری طرف مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔

گاہے گاہے باز خواں قصہ پارینہ را کے مصداق جب ہم تاریخ ماضی کے اوراق کی ورق گردانی کرتے ہیں تو حق و باطل ہمیں باہم دست و گریباں نظر آتے ہیں۔ باطل نے حق کو دبانے کیلئے اپنی پوری قوت صرف کر دی لیکن اہل حق کو جس قدر دبایا گیا وہ اس قدر ابھرتے گئے۔

مصائب لاکھ بڑھ جائیں عزائم کم نہیں ہوتے
یہ وہ سر ہیں جو کٹ جاتے ہیں لیکن خم نہیں ہوتے

پڑوسی ملک ایران میں خمینی انقلاب کے بعد جب وہاں پر اہل سنت سے جینے کا حق چھین لیا گیا اور سنی ہونے کی اس قدر سنگین سزا دی گئی کہ انہیں اپنے مذہبی حقوق کے لئے آواز اٹھانے تک کی اجازت سے محروم کر دیا گیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ حکومت کی سرپرستی میں ایسی ایسی کتابیں شائع ہونے لگیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرات خلفائے راشدینؓ کو کافر و زندیق تک تحریر کیا جانے لگا اور یہ کتابیں ایران کی اس روحانی شخصیت (خمینی) کے قلم سے تحریر ہوئیں جس نے انقلاب سے پہلے یہ نعرہ لگایا تھا کہ:

لا شیعہ ولا سنیہ، اسلامیہ اسلامیہ

اس پرفریب نعرے کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور خمینی کو اسلام کا عظیم ہیرو سمجھا جانے لگا، لیکن جب اسکی تحریریں کشف الاسرار، حکومت اسلامی اور صحیفۂ انقلاب وغیرہ کی شکل میں منظر عام پر آئیں تو غبار چھٹ گیا اور یہ حقیقت دنیا پر آشکار ہو گئی کہ خمینی اسلام کا ہیرو نہیں بلکہ اسلام کے نام پر کفر کا نمائندہ ہے۔

خمینی کی تصانیف جب پاکستان کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں کھلے عام تقسیم ہونے لگیں اور ایران کے شیعہ انقلاب کو اسلامی انقلاب کا نام دیکر اسلام کا چہرہ مسخ کرنے کی ناپاک جسارت کی گئی تو علمائے حق کو سخت تشویش ہوئی اور اسی تشویش واضطراب کی بناء پر شہید ناموس صحابہؓ علامہ حق نواز جھنگویؒ نے اسلام کے نام سے پھیلنے والے کفر کے سدّ باب اور ایرانی انقلاب کی اصل حقیقت سے اپنی قوم کو آگاہ کرنے کیلئے 6 ستمبر 1985ء میں جھنگ کی سرزمین پر ''سپاہ صحابہ پاکستان'' کی بنیاد رکھی اور اس پلیٹ فارم سے پاکستان میں سنی حقوق اور ناموس صحابہؓ واہلبیتؓ کے تحفظ کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ملت کے نوجوانوں کو اس عظیم مشن پر کار بند کر دیا اور آج ملک بھر میں تمام سنی مکاتب فکر بشمول دیو بندی، بریلوی، اہل حدیث کا سنجیدہ اور دین کا درد رکھنے والا طبقہ ناموس صحابہؓ کے دفاع کیلئے سپاہ صحابہؓ پاکستان کے منشور و موقف کی تائید کر رہا ہے۔ لیکن جس طرح ادوار سابقہ میں اہل حق کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر کے ان کے حوصلوں کو پست کرنے کی لاحاصل سعی کی گئی اسی طرح ناموس صحابہؓ کے تحفظ کے لئے سپاہ صحابہؓ پاکستان کے پلیٹ فارم سے کام کرنے والوں کو بھی مشق ستم بنایا گیا۔ جب دشمنان صحابہؓ اور خمینی کی روحانی اولاد کو اس عظیم تحریک کے نتیجے میں اپنی نیا ڈوبتی نظر آئی تو بانی تحریک علامہ حق نواز جھنگویؒ کو گہری سازش کے تحت شہید کر دیا گیا۔ اس سے قبل مولانا شہیدؒ اپنے اس عظیم مشن کے لئے متعدد بار جیلوں میں گئے، تشدد کا نشانہ بنائے گئے، تھانوں میں انہیں برہنہ کر کے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا رہا، لیکن انہیں جس قدر دبانے کی کوشش کی گئی وہ اسی قدر ابھرتے چلے گئے یہاں تک کہ انہیں 22 فروری 1990ء کو شہید کر کے یہ سمجھ لیا گیا کہ اب یہ تحریک ختم ہو جائیگی لیکن جس تحریک کی بنیادوں میں اخلاص، للّٰہیت اور شہادت کا مقدس خون شامل ہو جائے اسے دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت ختم نہیں کر سکتی۔

تعزیرِ جرمِ عشق ہے بے طرفہ محتسب
بڑھتا ہے یہاں ذوقِ جرم ہر سزا کے بعد

دشمن نے سوچا کہ علامہ جھنگوی شہیدؒ کے بعد ان کی تحریک دم توڑ جائے گی اور ان کے بہتے ہوئے خون شہادت کو دیکھ کر کوئی ان کے مشن کو جاری رکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکے گا لیکن دشمنان صحابہؓ کی سازش ناکام ہوگئی اور علامہ جھنگوی شہیدؒ کے خون شہادت نے سنی قوم کو جرأت اور حوصلہ عطا کیا کہ آج ملک کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں سپاہ صحابہؓ کے بلا مبالغہ ہزاروں یونٹ قائم ہو چکے ہیں اور ملک کے باہر دنیا کے تقریباً 20 ممالک تک قائد شہیدؒ کا پیغام حق پہنچ چکا ہے۔

ملک کے دیگر شہروں کی طرح کراچی میں بھی سینکڑوں کارکن ناموس صحابہؓ کے تحفظ جیسے عظیم مشن کے لئے خون کے نذرانے پیش کر چکے ہیں، جن میں سابق ڈویژنل صدر مولانا قاری سعید الرحمنؒ، ڈویژنل ڈپٹی سیکریٹری محمود صدیقیؒ، نوید اقبالؒ قابل ذکر ہیں۔

سپاہ صحابہؓ اپنے دینی مقاصد کے حصول کے لئے دہشت گردی کے بجائے قانون کے دائرے میں رہ کر جدوجہد کرنے پر یقین رکھتی ہے لیکن ارباب اقتدار نے سپاہ صحابہؓ کے عظیم مشن کو سمجھنے کے بجائے اپنے غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قائدین کو فرقہ پرست اور دہشت گرد کہہ کر ان کے خلاف کردار کشی کی مہم چلائی، ان کے خلاف جھوٹے مقدمات بنائے اور انہیں پابند سلاسل کر کے مشن سے ہٹانے کی بھرپور کوشش کی، لیکن

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

میں نے زیر نظر تحریر میں سپاہ صحابہؓ سندھ اور کراچی ڈویژن کے رہنماؤں پر حکومت کی طرف سے قائم کئے جانے والے جھوٹے مقدمات، پولیس ریمانڈ کے دوران ان پر بیتنے والے اذیت ناک، دلخراش اور جگر پاش لمحات اور پس دیوار زنداں پیش آمدہ مصائب و آلام کا ذکر کیا ہے تاکہ جھنگوی شہیدؒ کی اس تحریک سے وابستہ افراد یہ حقیقت جان سکیں کہ صحابہ کرامؓ کے سپاہیوں کو بھی اسی طرح ظلم و تشدد کا

سامنا کرنا پڑے گا جس طرح خود صحابہ کرامؓ کو راہ حق میں صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا اور جو لوگ اس راہ عشق میں مصائب اور کانٹوں سے الجھنے کا ذوق نہیں رکھتے وہ کبھی کامیابی کے پھولوں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے۔

یہ قدم قدم قیامتیں یہ سواد کوئے جاناں
جنہیں زندگی ہو پیاری وہ یہیں سے لوٹ جائیں

(ابوالفیصل ندیم)
سینٹرل جیل کراچی
7 دسمبر 1995ء

جرم وسزا

جب بچہ روتا ہے تو ماں کے سینے میں دودھ جوش مارنے لگتا ہے اور وہ اپنے نونہال کو دودھ پلا کر اسکی تسکین کا سبب بنتی ہے۔عین اسی طرح جب عدل پرور حکمران اپنی رعایا کو بے چین پاتے ہیں تو اس کی بے چینی کو دور کرنے کی جستجو کرتے ہیں جس سے حکومت پر رعایا کا اعتماد بحال ہوجاتا ہے۔لیکن ہماری بے چینی اور اضطراب کو دور کرنے کی بجائے ہمارے زخموں پر مزید نمک پاشی کرنے کا پروگرام تیار کرلیا گیا۔

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کر مرجاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

مولانا قاری سعید الرحمٰن کی شہادت:

7 دسمبر 1994ء بدھ کا دن تھا۔سورج غروب ہو چکا تھا،آسمان پر رات کی سیاہی پھیل چکی تھی۔ سپاہ صحابہؓ کراچی ڈویژن کے ہردلعزیز صدر جناب قاری سعید الرحمٰن شہیدؒ نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد مسجد اکبر پی ای سی ایچ ایس کے حجرے میں اورنگی ٹاؤن کے ساتھیوں سے محو گفتگو تھے۔جو ایک طے شدہ پروگرام کے لئے محترم قاری صاحب شہیدؒ سے وقت لینے آئے ہوئے تھے۔قاری صاحب نے اُن سے وعدہ کرکے انہیں رخصت کردیا۔اسی اثناء میں نماز عشاء کا وقت ہوگیا۔نماز سے فارغ ہوکر قاری صاحب نے حسب معمول درس قرآن دیا۔درس قرآن سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ چاروں طرف سے نامعلوم دہشت گردوں نے نمازیوں پر فائرنگ شروع کردی جس کے نتیجے میں قاری سعید الرحمٰن اوران کے بھائی قاری عبدالمجید سمیت 9 نمازیوں کے خون شہادت سے مسجد کے درودیوار اور الماریوں میں رکھے ہوئے قرآن کریم کے متعدد نسخے رنگین ہوگئے۔بعض نے بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی تو انہیں تعاقب کرکے گولیوں سے چھلنی کردیا گیا۔9 نمازیوں کے خون سے صحن مسجد کو رنگین دیکھ کر علاقے

میں ایک کہرام مچ گیا۔ اس عظیم سانحے پر ہر آنکھ اشک بار تھی۔ مسجد کا صحن مذبح کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ مسجد سے چند قدم کے فاصلے پر بس اسٹاپ پر پولیس چوکی کی موجودگی کے باوجود دہشت گردوں کو فرار ہونے میں کوئی دشواری نہ ہوئی اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ پولیس چوکی پر موجود اہلکاروں کی ملی بھگت سے یہ قیامت صغریٰ برپا کی گئی۔

مقامی تھانے کی بے حسی:

دوسرے روز شہداء کی تجہیز و تکفین کے بعد سپاہ صحابہؓ کے صوبائی سیکریٹری حافظ احمد بخش ایڈوکیٹ، صوبائی سیکریٹری اطلاعات طارق محمود مدنی اور کچھ دوسرے حضرات واقعہ کی ایف۔ آئی۔ آر درج کروانے کے لئے مقامی تھانہ فیروز آباد پہنچے اور SHO انور زیب سے کہا کہ کچھ روز قبل آئی جی سندھ افضل علی شگری نے (جو مبینہ طور پر شیعہ فرقے سے تعلق رکھتا ہے) اہل تشیع کی ایک نجی میٹنگ میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں تمہاری پشت پناہی کرونگا۔ تم کراچی میں ڈیڑھ سو چیدہ چیدہ سنی مولویوں کو قتل کر دو سپاہ صحابہؓ کی سرگرمیاں ازخود موقوف ہو جائیں گی، چنانچہ قاری سعید الرحمٰن سمیت 9 نمازیوں کا بہیمانہ قتل اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ لہٰذا اس سانحہ کا پس منظر جاننے کیلئے افضل شگری کو بھی شامل تفتیش کیا جائے۔ افضل شگری کے علاوہ ایف آئی آر میں جن لوگوں کو نامزد کیا گیا تھا اُن میں تحریک جعفریہ کے مرکزی راہنما سید ساجد علی نقوی، مقامی رہنما باقر نجفی، ممتاز علی شریفی اور حسن ترابی قابل ذکر ہیں۔

انور زیب (SHO) فیروز آباد آئی جی سندھ افضل شگری کا نام سپاہ صحابہؓ کے اس وفد کی زبان سے سن کر چونکا اور کہنے لگا کہ میں آئی جی سندھ کو شامل کرنے سے قاصر ہوں آپ اس سلسلے میں مقامی ضلعی انتظامیہ سے رابطہ کریں۔ ضلعی انتظامیہ سے رابطہ کیا گیا تو اس نے بھی معذوری ظاہر کر دی۔

مولانا اعظم طارق کی آمد:

مورخہ 10 دسمبر 1994ء کو جامع مسجد صدیق اکبرؓ ناگن چورنگی میں ایک احتجاجی جلسہ منعقد ہوا۔

جس سے سپاہ صحابہؓ پاکستان کے نائب سرپرست اعلیٰ مولانا محمد اعظم طارق نے قاری سعید الرحمٰن کی شہادت کے عظیم سانحہ سے دل برداشتہ کارکنوں کو حوصلہ دیا اور انتظامیہ کراچی کو انتباہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر 17 دسمبر 1994ء تک قاری صاحب شہیدؒ کے نامزد قاتل گرفتار نہ کئے گئے تو 18 دسمبر 1994ء بروز اتوار کراچی میں عام ہڑتال کی جائے گی۔ اس انتباہ کے بعد بھی انتظامیہ کی بے حسی برقرار رہی اور اس نے نامزد ملزموں کو گرفتار کرنے کی بجائے انہیں تحفظ فراہم کیا۔

18 دسمبر ہڑتال:

10 دسمبر کے جلسہ میں ہڑتال کے اعلان کے بعد انتظامیہ نے سپاہ صحابہؓ کے ذمہ داروں سے مذکرات کرنے کی بجائے ان کی گرفتاریوں کے احکامات جاری کردیئے۔ ان منفی احکامات کی وجہ سے میں نے کچھ روز روپوش ہوجانا ضروری سمجھا اور قائدین کا مشورہ بھی یہی تھا۔ خیال یہ تھا کہ حکومت ہڑتال کو ناکام بنانے کے لئے گرفتاریاں کرنا چاہتی ہے اور جب ہڑتال کامیاب ہوجائیگی تو گرفتاریوں کا خطرہ نہیں رہے گا۔ اس خیال کے پیش نظر میں 18 دسمبر کو شہر میں مکمل ہڑتال ہوجانے کی وجہ سے روپوشی ترک کرکے دفتر سپاہ صحابہؓ ناگن چورنگی پہنچ گیا۔ تقریباً دوپہر کے ساڑھے گیارہ بجے میں دفتر پہنچا اور ٹھیک پندرہ منٹ بعد جناب آصف رزاق SHO نیو کراچی، SDM اکرم سعید اور DC سینٹرل پولیس کے ہمراہ مجھے گرفتار کرنے کیلئے پہنچ گئے۔

میری گرفتاری:

مجبوراً مجھے گرفتاری پیش کرنا پڑی اور مجھے پولیس کے ہمراہ مقامی تھانہ نیو کراچی پہنچا دیا گیا۔ تھانہ نیو کراچی بظاہر تو تھانہ ہی تھا لیکن SHO صاحب نے تھانہ میں مجھے ہر طرح سے عزت دی جسے میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ تقریباً دس روز تک میں ریمانڈ پر تھانہ میں مقیم رہا۔ تھانیدار اور دیگر عملہ نے ہر طرح میرے آرام کا خیال رکھا اور ایک مہمان کی طرح میرا اکرام کیا۔

جیل آمد:

دس روز مجھے ریمانڈ ختم ہونے پر 29 دسمبر کو جیل بھیج دیا گیا۔ نئے آنے والے قیدیوں کو ملاحظے کے لئے سینٹرل جیل کراچی کے بند وارڈ میں جوڑی میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ میں بھی نئی آمد کے ساتھ جوڑی میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جیلر صاحب ملاحظے کے لئے بند وارڈ میں آئے۔ سب سے آگے چونکہ میں بیٹھا تھا اس لئے سب سے پہلے مجھ ہی سے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ مقدمہ کیا ہے؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ وغیرہ۔

میں نے اپنا نام بتایا اور مقدمے کے بارے میں کہا کہ 14 اگست 1994ء کو جامع صدیق اکبرؓ ناگن چورنگی میں چند سرکاری اہلکاروں نے ہمارے کارکنوں اور نمازیوں پر فائرنگ کر کے تین افراد کو شہید اور درجنوں کو زخمی کر دیا تھا۔ میں چونکہ اسی مسجد میں امام وخطیب ہوں اس لئے یہ مقدمہ میرے اوپر ڈال دیا گیا ہے۔ جیلر صاحب نے یہ سنتے ہی مجھے ایک پرانے قیدی کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ مولوی صاحب کو فوراً دارالقرآن پہنچا دو۔ چنانچہ مجھے دارالقرآن پہنچا دیا گیا۔

جیل کی جنت:

دارالقرآن کا نام پہلے ہی میں نے سن رکھا تھا۔ جس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ ایک دینی ادارہ ہے۔ جس میں دینی تعلیم حاصل کرنے والے قیدیوں کو رکھا جاتا ہے۔ جیل جا کر پتہ چلا کہ دارالقرآن کو ''جیل کی جنت'' کہا جاتا ہے۔ یہاں پر دو بیرکیں ہیں۔ ایک چھوٹی بیرک ہے جس میں کام کرنے والے قیدی رہتے ہیں اور ایک بڑی بیرک ہے جس میں تقریباً 70 قیدی آسانی سے سما جاتے ہیں لیکن عموماً یہاں زیادہ سے زیادہ 80 یا 85 قیدی رکھے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ایک مسجد ہے جس میں ظہر اور عصر کی نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے بقیہ نمازیں قیدی بیرک کے اندر ہی ادا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ عصر کی نماز کے بعد قیدیوں کو بیرک میں بند کر دیا جاتا ہے اور صبح تقریباً سات بجے بیرک کھول دی جاتی ہے۔

مدرسہ کے اوقات:

دارالقرآن میں 6 اساتذہ تدریس کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ مدرسہ میں کلمہ، نماز، دعائے قنوت وغیرہ سے لے کر قرآن پاک کے ترجمہ وتفسیر تک کی تعلیم کا انتظام ہے۔ تمام اساتذہ باہر سے آتے ہیں اور صبح 8 بجے سے دوپہر 12 بجے تک نہایت محنت اور تندہی سے تدریسی فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ سزایافتہ قیدیوں کو قرآن پاک ناظرہ ختم کرنے پر 6 ماہ کی سزا معاف کر دی جاتی ہے اور حفظ ختم کرنے والے قیدیوں کو سزا میں 2 سال کی معافی دی جاتی ہے۔

سہولتیں:

دارالقرآن میں سب قیدیوں کو جو سہولتیں میسر ہیں وہ جیل میں بی کلاس میں بھی میسر نہیں ہے۔ پوری بیرک میں قالین بچھی ہوئی ہے۔ جس پر قیدی اپنے بستر بچھاتے ہیں۔ بیرک کی صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ نہانے کے لئے ایک غسل خانہ ہے جس میں شاور لگا ہوا ہے۔ تین بیت الخلاء ہیں، پانی کی دو موٹریں لگی ہوئی ہیں، پانی کی کوئی کمی نہیں۔ جبکہ بیرک کے باہر تین غسل خانے اور چار بیت الخلاء ہیں۔ کپڑے دھونے کے لئے الگ سے ایک جگہ بنائی گئی ہے۔ اسی طرح ایک سبزہ زار ہے جس کے چاروں طرف رنگا رنگ پھول قیدیوں کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں۔ بیرک کے باہر ایک وضو خانہ ہے جس میں بیک وقت 20 آدمی وضو کر سکتے ہیں۔

جمعہ کا آغاز:

میرے جیل جانے سے پہلے سپاہ صحابہؓ کے کئی ساتھی قاری سید شہزاد علی، رضوان الحق، محمد اشرف وغیرہ دارالقرآن میں موجود تھے۔ مجھے جب دارالقرآن بھیجا گیا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مقامی ساتھیوں کے ساتھ ساتھ دارالقرآن کے قیدیوں نے بھی زبردست خیر مقدم کیا۔ میں مغرب کی نماز سے پہلے دارالقرآن پہنچ گیا۔ مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو قاری شہزاد علی صاحب نے جو مجھ سے پہلے یہاں

امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے، مجھے امامت کیلئے آگے بڑھا دیا۔ میں نے نماز پڑھائی اور بعد از نماز جیل میں سب سے اچھی جگہ منتقل ہو جانے پر شکرانہ کے دو نفل ادا کئے۔ میرے آنے کے بعد اب مصلیٰ امامت میرے حوالے کر دیا گیا۔ بعض قیدیوں نے کہا کہ آپ دار القرآن میں جمعہ کی نماز کا سلسلہ شروع کریں۔ ترجمہ وتفسیر کے استاد مولانا عبدالستار ہاشمی صاحب نے بھی مجھے جمعہ پڑھانے کیلئے آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن میں نے کہا کہ جب تک جیل میں جمعہ پڑھانے کا شرعی جواز معلوم نہ ہو جائے میں یہ سلسلہ شروع کرنا نہیں چاہتا۔ چنانچہ اس مسئلے کے حل کے لئے ہم نے ایک استفتاء تیار کیا اور اسے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن بھیج کر وہاں سے جمعہ کے جواز کا فتویٰ حاصل کر لیا۔ فتویٰ مل جانے کے بعد جمعہ پڑھانے کا جواز اور قیدیوں سے منبر ومحراب کے ذریعے خطاب کرنے کا موقع مل گیا۔ گویا دار القرآن کا اسٹیج سپاہ صحابہؓ کے ہاتھ میں آ گیا۔ سب سے پہلا جمعہ 7 اپریل 1995ء کو پڑھایا اور آدھا گھنٹہ خطاب کیا۔ جسے قیدیوں نے خوب پسند کیا۔ ایک عرصہ بعد جیل میں جمعہ کی ادائیگی سے ہر قیدی کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ سب ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔ چنانچہ 7 اپریل 1995ء سے باقاعدگی سے دار القرآن میں جمعہ پڑھایا جاتا ہے جس میں بی کلاس اور سیکورٹی وارڈ کے قیدی بھی شریک ہوتے ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ سے پہلی ملاقات

نئے سال 1995ء کا پہلا دن تھا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل پیر شبیر جان سرہندی کے بارے میں پتہ چلا کہ بہت اچھے آدمی ہیں خاص طور پر علماء کرام کا احترام کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ان سے ملاقات کرنے کیلئے ان کے دفتر کے ایک مقدم کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ میں آپ سے ملاقات کا متمنی ہوں۔ پیغام ملتے ہیں انہوں نے مجھے بلوایا اور شرف ملاقات بخشا۔ یہ ملاقات بہت ہی خوشگوار ماحول میں ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے نام اور کیس کے متعلق پوچھا۔ میں نے تعارف کروایا تو انہوں نے شفقت فرماتے ہوئے کہا کہ آپ کو جیل میں کسی قسم کی پریشانی ہو تو مجھے مطلع کریں۔ چنانچہ فوری طور پر میں نے یہ موقع غنیمت جانتے ہوئے سپاہ صحابہؓ کے دو کارکنوں ارشد فاروقی اور محمد شکیل کو بچہ وارڈ سے دارالقرآن میں منتقل کرنے کی درخواست کردی جسے سپرنٹنڈنٹ صاحب نے منظور کرتے ہوئے ان دونوں کارکنوں کو فوراً دارالقرآن منتقل کردیا۔

بچہ وارڈ:

سیکورٹی 13 کو بچہ وارڈ بنایا گیا ہے۔ جہاں پر کم عمر قیدیوں اور بچوں کو رکھا جاتا ہے۔ اگرچہ اس وارڈ میں کافی نوجوان بلکہ بعض شادی شدہ قیدی بھی موجود ہیں لیکن ایسے نوجوان جو بالغ ہونے کے باوجود چہرے سے بچے نظر آتے ہیں یا جن کی داڑھی مونچھیں ابھی نہیں آئیں یا داڑھی آنے کے باوجود چہرے سے معصومیت جھلکتی ہے انہیں بچہ وارڈ میں رکھا جاتا ہے۔ جیل میں کسی قیدی کو اس وارڈ میں داخل ہونے یا کسی بچے سے ملاقات کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کسی کو بچہ وارڈ کے کسی قیدی سے ضروری بات کرنا ہو تو وہ وارڈ کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا ہے اور اندر سے مطلوبہ قیدی کو بلا کر دروازے کے اندر کی طرف کھڑا کر دیا جاتا ہے دروازہ بند رہتا ہے اور اسی صورت میں وہ آپس میں بات کر لیتے ہیں۔ اس وارڈ کے علاوہ دوسرے وارڈوں کو جمعہ کے موقع پر یا عید وغیرہ کے موقع پر کبھی کبھی کھولا جاتا

ہے اور قیدی دوسرے وارڈ یا بیرکوں میں جا کر دیگر قیدیوں سے ملاقات کر لیتے ہیں لیکن بچہ وارڈ کو ہمیشہ بند رکھا جاتا ہے اور یہاں کے قیدیوں کو وارڈ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

اہل خانہ سے ملاقات:

تھانہ سے جیل میں آئے ہوئے تقریباً ایک ماہ ہو چکا تھا۔ لیکن اہل خانہ سے ابھی تک جیل میں ملاقات نہیں ہوئی تھی اور نہ میں نے مناسب سمجھا تھا کہ وہ یہاں ملاقات کے لئے آئیں۔ چونکہ میں زندگی میں پہلی بار جیل آیا تھا اس لئے ملاقات کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ تاہم جب اہل خانہ نے پیغام بھجوایا کہ ہم ملاقات کے لئے آنا چاہتے ہیں تو میں ایک بار پھر سپرنٹنڈنٹ صاحب سے ملا اور ان سے درخواست کی کہ میرے اہل خانہ ملاقات کے لئے آنا چاہتے ہیں جبکہ جالی کی عام ملاقات میں بے پردگی ہوتی ہے تو انہوں نے فوراً ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ اور اردلی کو ہدایت کردی کہ وہ میرے اہل خانہ کو ہفتہ میں دو بار ماڑی میں اسپیشل ملاقات کا موقع دیں۔ چنانچہ میں نے اہل خانہ کو ملاقات کیلئے بلوایا اور انہوں نے پہلی بار 30 جنوری 1995ء کو جیل میں مجھ سے خصوصی ملاقات کی اور پھر ہفتے میں دو خصوصی ملاقاتوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کبھی تنظیمی ساتھی اور کبھی اہل خانہ ملاقات کے لئے آتے رہے اور یہ سلسلہ ایک عرصہ تک چلتا رہا۔

سپاہ صحابہ کراچی ڈویژن کے ڈپٹی سیکریٹری

انجینئر محمد الیاس زبیر کی گرفتاری

مجھے پہلی مرتبہ 2 جنوری 1995ء کو ایک مقدمہ قتل کی پیشی کے موقع پر سیشن کورٹ لے جایا گیا اور دوسرے قیدیوں کی طرح مجھے بھی بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ اس سے قبل ہتھکڑی اور بیڑیوں کا تذکرہ ہم اپنے اکابرین کے حوالے سے کرتے رہتے تھے لیکن اب مجاہدین کا یہ زیور مجھے بھی پہننا پڑا۔ اگرچہ پہلی مرتبہ بیڑیاں پہن کر چلنے میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا لیکن دوسری طرف دل میں خوشی بھی تھی کہ یہ ہمارے اکابرین کا زیور ہے جو مجھے بھی پہننے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

چونکہ 2 جنوری 1995ء کو عدالت میں پیشی کا کسی ساتھی کو علم نہیں تھا اس لئے اس روز عدالت میں کوئی ساتھی ملاقات کے لئے نہ آیا۔ 2 جنوری کی پیشی کے موقع پر عدالت نے آئندہ 17 جنوری 1995ء کو پیشی کی تاریخ دی۔ جس سے میں نے اپنے تنظیمی ساتھیوں کو بھی آگاہ کر دیا۔ باہر کے ساتھیوں کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ مجھے عدالت میں بیڑیاں پہنا کر لایا گیا ہے تو تنظیمی ذمہ داروں نے مجھے بیڑیاں پہنائے جانے پر اخبارات میں مذمتی بیان شائع کرایا اور آئندہ پیشی کے موقع پر برادرم الیاس زبیر نے اخباری فوٹو گرافروں کو عدالت میں آکر بیڑیوں سمیت میری تصویر اخبارات میں شائع کرنے کی ہدایت کر دی تھی۔ لیکن میں جب 17 جنوری کو عدالت میں پہنچا تو وہاں ڈی سلوا ٹاؤن کے چند ساتھیوں کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا۔ میں نے ان ساتھیوں سے کہا کہ مولانا سعد اللہ صاحب خطیب مدنی مسجد آدم ٹاؤن کو فون کر کے معلوم کریں کہ برادرم الیاس زبیر آج اخباری نمائندوں اور فوٹو گرافروں کو لے کر عدالت میں کیوں نہیں پہنچے۔ فون پر یہ معلوم ہوا کہ الیاس زبیر گزشتہ روز یعنی 16 جنوری کو گرفتار کر لئے گئے ہیں۔

چند روز قبل تبلیغی مرکز مدنی مسجد عزیز آباد میں کچھ نامعلوم شرپسندوں نے فائرنگ کر کے ہمارے

چار سرگرم کارکنوں کو شہید کر دیا تھا اس واقعہ کی ایف آئی آر کٹوانے کے لئے الیاس زبیر صاحب 16 جنوری 1995ء کو عزیز آباد تھانہ گئے تو انہیں ایک مقدمہ قتل میں گرفتار کر لیا گیا۔

20 روزہ ریمانڈ:

برادرم محمد الیاس زبیر کی گرفتاری کے بعد ہمیں کوئی اطلاع نہیں تھی کہ انتظامیہ نے انہیں کہاں رکھا ہوا ہے نہ وہ عزیز آباد تھانہ میں تھے اور نہ جیل پہنچے تھے۔ یہاں جیل میں ہمیں سخت تشویش تھی کہ انتظامیہ نے آخر کہاں کر دیا ہے؟ مورخہ 6 فروری 1995ء کو ہمیں دارالقرآن کے ایک مقدم نے اطلاع دی کہ الیاس زبیر جیل آ گئے ہیں۔ میں اطلاع ملتے ہیں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ امداد علی کے پاس پہنچا اور ان سے درخواست کی کہ میرے تنظیمی ساتھی الیاس زبیر ابھی ابھی جیل آئے ہیں انہیں میرے ساتھ دارالقرآن روانہ کیا جائے۔ ڈپٹی صاحب نے بند وارڈ کے ملاحظہ سے قبل ہی الیاس زبیر کو اپنے دفتر میں بلوایا اور انہیں میرے سپرد کر دیا۔ میں انہیں لے کر دارالقرآن آ گیا اور پھر ان سے خیریت اور دیگر حالات معلوم کئے۔ انہوں نے بتایا کہ مجھے گرفتاری کے دوسرے روز ریمانڈ پر آئی جی سندھ کے خصوصی سیل بھیج دیا گیا تھا۔ جہاں تقریباً 20 روز تک ایجنسیوں کے مظالم و شدائد سہنے کے بعد آج جیل بھیج دیا گیا۔

ریمانڈ کی حقیقت:

جیل آنے سے قبل ہم سنتے تھے کہ پولیس کسی قیدی کو عدالت کی اجازت کے بغیر تھانہ میں نہیں رکھ سکتی۔ عدالت کی اس اجازت کو ریمانڈ کہتے ہیں۔ ریمانڈ حاصل کرنے کا مقصد ملزم سے اس پر لگائے گئے الزامات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ پاکستان میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں پولیس عدالت سے ریمانڈ لینے کے بعد ملزم سے اس کے مقدمے کے بارے میں معلومات نہیں کرتی بلکہ ملزم پر بے پناہ تشدد کر کے اس کو اس قدر مجبور کر دیتی ہے کہ وہ بے گناہ ہونے کے باوجود بھی گناہ اور جرم کا اقرار کر لیتا ہے۔

ریمانڈ کی مختلف شکلیں:

پولیس جب کسی ملزم کا عدالت سے ریمانڈ لیتی ہے تو اس کو مختلف طریقوں سے تشدد کا نشانہ بناتی ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

1۔ چھترول: سب سے زیادہ مشہور و معروف طریقہ ملزم سے جرم قبول کروانے کا پولیس کے یہاں یہ طریقہ رائج ہے کہ ملزم کو ننگا کر کے منہ کے بل زمین پر لٹا کر کولہوں پر چھتر مارے جاتے ہیں اور جب تک ملزم جرم کا اقرار نہ کر لے اسے چھترول کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر چہ اس نے وہ جرم نہ کیا ہو۔

2۔ الٹا لٹکانا: اگر چھترول سے ملزم جرم تسلیم نہ کرے تو پھر دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اسکے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھ دیئے جاتے ہیں اور بغلوں کے نیچے سے رسہ ڈال کر چھت سے لٹکا دیا جاتا ہے اور پھر پاؤں کے تلوؤں پر بید مارے جاتے ہیں۔ بیدوں کی یہ ضرب براہ راست دماغ کو متاثر کرتی ہے۔ اس دوران ملزم کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے تا کہ وہ تشدد کرنے والوں کو دیکھ نہ سکے۔

3۔ چیرا: ریمانڈ کے دوران بعض سیلوں میں ''چیرا'' لگانے کا طریقہ بھی اختیار کیا جاتا ہے۔ ملزم کو دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور اس کی دونوں ٹانگوں کو کھول کر 180 درجے کا زاویہ بنا کر بٹھایا جاتا ہے۔ جس سے ملزم کی ٹانگیں ناکارہ ہو جانے کا قوی امکان ہوتا ہے۔

4۔ مرغن کھانا: ملزم کو دو، دو دن تک بھوکا رکھا جاتا ہے اور جب بھوک شدت اختیار کر جاتی ہے تو اسے بہترین مرغن کھانا کھلایا جاتا ہے۔ ملزم بھوکا ہونے کی وجہ سے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیتا ہے تو اس کے بعد نیند کا غلبہ ہونے لگتا ہے۔ لیکن اسے سونے نہیں دیا جاتا بلکہ اسے کئی کئی دن تک جاگنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اسے نیند سے دور رکھنے کے لئے لٹا کر چہرے کے بالکل قریب 200 وولٹ کا بلب روشن کر دیا جاتا ہے۔ جس کی گرمی ملزم کے لئے خاصی اذیت کا باعث بنتی ہے۔

5۔عضو مخصوص کے ساتھ وزن: ملزم کے عضو مخصوص کے ساتھ دو، دو کلو تک کا وزن لٹکا دیا جاتا ہے جس سے وہ بعض اوقات مردانہ قوت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ نیز وزن باندھنے کے لئے عضو مخصوص پر اتنی زور سے گرہ باندھ دی جاتی ہے کہ ملزم پیشاب کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔

6۔پاخانہ کی بدبو: بعض اوقات انسان کا پاخانہ کسی پلاسٹک کی تھیلی میں ڈال کر وہ تھیلی ملزم کی ناک کے ساتھ باندھ دی جاتی ہے۔ جس سے دماغی قوت کے مفلوج ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس دوران ملزم کے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھ دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ اس تھیلی کو کھول نہ سکے۔

7۔سدھائے ہوئے چوہے: ملزم کو زمین پر چت لٹا کر اس کی شلوار کے پائنچے میں سدھائے ہوئے چوہے چھوڑ دیئے جاتے ہیں جو آہستہ آہستہ چلتے چلتے عضو مخصوص تک پہنچ جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ کاٹنے لگتے ہیں۔ اس دوران ملزم کے دونوں پاؤں اور دونوں ہاتھوں کو کسی رسے وغیرہ کے ساتھ کھینچ کر چار کیلوں کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے تاکہ چوہے کے کاٹنے کے دوران وہ حرکت نہ کر سکے۔

8۔برف کی سل: ملزم سے جرم تسلیم کروانے کیلئے اسے برف کی سل پر ننگے بدن کے ساتھ لٹا کر باندھ دیا جاتا ہے۔ جس سے ملزم کو فالج کی بیماری لاحق ہو سکتی ہے۔

9۔تنور کی آگ: ملزم کے کپڑے اتر کر دو آدمی اس کے ہاتھوں اور پاؤں سے پکڑ کر اٹھاتے ہیں اور جلتے ہوئے تنور کے اوپر جھولا جھلاتے ہیں جس سے ملزم کا جسم آگ سے بری طرح جھلس جاتا ہے۔

10۔بجلی کے جھٹکے: ملزم کو بجلی کے جھٹکے دیکر بری طرح ایذاء دی جاتی ہے جس سے بعض اوقات ملزم زخمی بھی ہو جاتا ہے۔

11۔ہوائی فائر: ملزم کو ڈرانے کے لئے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے کہا جاتا ہے کہ کلمہ پڑھ لو ہم تجھ پر فائر کر رہے ہیں اور یہ کہتے ہی گن لوڈ کر کے ایک آدھ ہوائی فائر کر دیا جاتا ہے اور ملزم سے کہا

جاتا ہے کہ اگر تو جرم تسلیم نہیں کریگا تو اب دوسری گولی تیرے جسم سے پار ہوگی اور کبھی کبھی ملزم کو فائر کر کے ہلاک بھی کر دیا جاتا ہے اور بعد میں پولیس مقابلہ ظاہر کر کے لاش ورثاء کے حوالے کر دی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی طریقے پولیس میں رائج ہیں جن کے ذریعے ریمانڈ کے دوران ملزم کو جرم تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ ملزم اپنی جان کے خوف سے پولیس کی مرضی کے بیانات دیتا ہے تو ان بیانات کو تحریر کر کے ملزم سے دستخط لے لئے جاتے ہیں اور وہی بیانات عدالت میں پیش کر کے پولیس یہ ثابت کر دیتی ہے کہ اس نے صحیح آدمی کو گرفتار کیا ہے جس نے واقعی جرم کیا ہے۔

ہماری عدلیہ ریمانڈ کی ان تمام تر تفصیلات سے مکمل طور پر آگاہ ہے۔ اے کاش! کہ وہ پولیس کے اس ظلم سے عوام الناس کو نجات دلانے کی کوشش کرے جس کی دور دور تک کوئی توقع نظر نہیں آتی۔

انجینئر محمد الیاس زبیر کی داستان الم

سپاہ صحابہ کراچی ڈویژن کے ڈپٹی سیکریٹری محمد الیاس زبیر جب ریمانڈ کے مراحل سے گزر کر جیل پہنچے اور میں انہیں اپنے ساتھ دارالقرآن میں لایا تو انہوں نے ریمانڈ کے دوران آئی جی سیل میں گزری آپ بیتی سنائی جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

انہوں نے بتایا کہ عزیز آباد تھانہ والوں نے مجھے گرفتار کر کے تھانہ اجمیر نگری کے حوالے کر دیا اس لئے کہ اجمیر نگری تھانہ میں ایک شیعہ ڈاکٹر محمد علی کے قتل کا جھوٹا مقدمہ میرے خلاف درج تھا۔ دوسرے روز تھانہ والوں نے SDM کی عدالت سے ریمانڈ حاصل کر کے مجھے سیدھا آئی جی سیل پہنچا دیا۔ وہاں مجھ سے سپاہ صحابہؓ کے مشن کے بارے میں کچھ سوالات کئے گئے جن کا میں نے کافی وشافی جواب دیا۔ آئی جی سیل کا عملہ مجھ سے سپاہ صحابہؓ کا موقف سن کر متاثر ضرور ہوا لیکن ساتھ ہی مجھے اس بات پر تشدد کا نشانہ بنایا گیا کہ تم لوگ شیعوں کو قتل کیوں کرتے ہو؟ میں نے بتایا کہ ہم صرف قانونی جنگ لڑتے ہیں، قتل وغارتگری ہمارا مشن نہیں اور نہ ہم اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں لیکن پولیس کو میری اس گفتگو سے اطمینان نہ ہوا اور اس نے مجھے مظالم کا نشانہ بنایا۔

مجھے چھتروں سے پیٹا گیا، ڈنڈوں سے پٹائی کی گئی اور بیک وقت دس دس پولیس والے مل کر مجھ پر ڈنڈوں کی بارش برساتے رہے۔ انہوں نے بتایا کہ مجھے پولیس نے الٹا لٹکا دیا، آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور پاؤں کے تلوؤں کو ڈنڈوں سے اس قدر پیٹا کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک کمرے میں فرش پر پڑا ہوا تھا۔

انہوں نے بتایا کہ آئی جی سیل میں میری تصویریں بھی بنائی گئیں جو بعد میں مختلف اخبارات میں شائع بھی ہوئیں اور ٹی وی پر بھی وہ تصویریں دکھا کر عوام کے سامنے مجھے دہشت گرد ظاہر کیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ ریمانڈ کے دوران مجھ سے میرے مقدمہ قتل کے بارے میں ایک بار بھی نہیں پوچھا گیا لیکن

جب مجھے جیل بھیج دیا گیا تو کچھ روز بعد اخبارات میں پولیس نے یہ خبر شائع کروادی کہ

''الیاس زبیر نے ڈاکٹر محمد علی کے قتل کا اعتراف کرلیا۔''

حالانکہ اگر پولیس چاہتی تو مجھے تشدد کا نشانہ بنا کر یہ جرم منوا سکتی تھی لیکن پولیس نے ایسا نہیں کیا اور بغیر میرے اقرار کے مذکورہ خبر اخبارات میں شائع کروادی۔ جسے پڑھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر محمد علی کے قتل کی خبر میں نے اخبارات میں پڑھی تھی لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ قتل میرے سر لکھ کر پولیس مجھ پر جھوٹا مقدمہ بھی بنا ڈالے گی۔

اے کاش! ہمارے ملک کی پولیس سدھر جائے تو شاید جرائم ختم ہو جائیں۔

سپاہ صحابہ سندھ کے سیکریٹری

حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ کی گرفتاری

تنظیمی ذمہ داروں میں برادرم الیاس زبیر اور میں پس دیوار زنداں تحفظ ناموس صحابہؓ کے جرم میں مقید تھے۔ اس وقت دارالقرآن میں ہم دو کے علاوہ دیگر تنظیمی کارکنوں میں قاری سید شہزاد علی، محمد اشرف، رضوان الحق، ارشد فاروقی، محمد شکیل اور کچھ روز کے لئے لیاقت آباد کے محمد اخلاق بھی تھے۔ محترم حافظ صاحب کبھی کبھی جیل میں ہم سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے اور تسلی دے جاتے کہ ہماری کوششیں جاری ہیں انشاء اللہ آپ سب لوگ بہت جلد رہا ہو جائیں گے۔ محترم حافظ صاحب کے ساتھ محترم طارق محمود مدنی سیکریٹری اطلاعات سندھ مولانا محمد احمد مدنی صدر سپاہ صحابہؓ کراچی اور بعض دیگر احباب بھی وقتاً فوقتاً ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہتے تھے جس سے ہمارے حوصلے بلند ہو جاتے۔

ایک مرتبہ حافظ صاحب ملاقات کیلئے تشریف لائے اور مجھے بتایا کہ آپ کے مقدمات انتظامیہ نے واپس لے لئے ہیں اور کسی بھی روز آپ کی رہائی کے احکام آسکتے ہیں لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

تین خطرناک مقدمے:

رمضان المبارک کے آخری عشرے میں شہر کے حالات اچانک خراب ہو گئے پی ای سی ایچ ایس میں ایک ہی گھر کے سات افراد کو نامعلوم شرپسندوں نے فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا۔ اسی طرح شیعہ کی دو امام بارگاہوں محفل مرتضیٰ اور ابوالفضل میں فائرنگ کر کے درجنوں بے گناہ افراد کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا گیا۔ چونکہ مذکورہ واقعات میں زیادہ تر شیعہ نشانہ بنے تھے اس لئے پولیس نے ان واقعات کا ذمہ دار سپاہ صحابہؓ کو ٹھہرانا ضروری سمجھا اور رمضان المبارک کے بعد مورخہ 10 مارچ 1995ء کو نماز جمعہ کے بعد جامع صدیق اکبرؓ ناگن چورنگی سے محترم حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

حافظ صاحب آئی جی سیل میں:

گرفتاری کے بعد محترم حافظ صاحب کو بھی آئی جی سیل پہنچا دیا گیا۔ بارہ روز تک آئی جی سیل میں تفتیشی مراحل سے گزرنے کے بعد انہیں 22 مارچ 1995ء کو جیل حکام کے حوالے کر دیا گیا۔ جیل حکام نے حافظ صاحب کو بند وارڈ میں بھیج دیا۔

اسی روز شام کو ہمیں حافظ صاحب کے جیل آنے کی اطلاع مل گئی۔ دوسرے روز 23 مارچ کی عام تعطیل کی وجہ سے سپرنٹنڈنٹ جیل سے رابطہ نہ ہو سکا۔ تیسرے روز جمعہ تھا اور ابھی تک جیل میں جمعہ کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد میرے دل میں حافظ صاحب سے ملاقات کی امنگ پیدا ہوئی اور میں بند وارڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اتفاقاً سپرنٹنڈنٹ صاحب جیل کے دورے پر نکلے ہوئے تھے۔ سرراہ ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے درخواست کی کہ میں حافظ صاحب سے ملاقات کا متمنی ہوں جو کہ اس وقت بند وارڈ میں ہیں۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب نے کہا کہ حافظ صاحب کا بند وارڈ میں کیا کام؟ انہیں فوراً بند وارڈ سے نکالا جائے چنانچہ حکم صادر ہوتے ہی حافظ صاحب کو بند وارڈ سے نکال کر میرے ہمراہ دارالقرآن بھیج دیا گیا۔ یہاں آکر حافظ صاحب نے آئی جی سیل میں گزرے ہوئے لمحات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مجھے سوائے ڈرانے اور دھمکانے کے مزید کچھ نہیں کہا گیا۔ البتہ مجھ سے تنظیمی امور کے بارے میں کچھ سوالات کیے گئے۔

پولیس اور حافظ صاحب کے درمیان مکالمہ

پولیس: آپ کا مکان کہاں ہے؟

حافظ صاحب: میرا مکان نہیں ہے ایک جگہ کرائے کا مکان تھا لیکن اہلیہ کے انتقال کے بعد وہ مکان واپس کر دیا ہے اور دو بچیوں کو پنجاب والدین کے پاس چھوڑ دیا ہے۔

پولیس: تو پھر آپ رات کو رہتے کہاں ہیں؟

حافظ صاحب: جامع مسجد صدیق اکبرؓ میں۔

پولیس: وہاں تو صرف دو مکانات ہیں، ایک مؤذن صاحب کا اور دوسرا امام صاحب کا تو آپ کون سے مکان میں رات گزارتے ہیں؟

حافظ صاحب: مجھے مکان کی ضرورت نہیں۔ میں اکیلا ہونے کی وجہ سے تنظیمی امور سے فارغ ہونے کے بعد رات کو مسجد میں سو جاتا ہوں اور دن کو دفتر میں مصروف عمل رہتا ہوں۔

پولیس: یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ آپ اتنی بڑی تنظیم کے صوبائی جنرل سیکریٹری ہیں اور آپ کے پاس رہنے کے لئے مکان نہیں؟

حافظ صاحب: تنظیم بے شک بڑی ہے لیکن میں چھوٹا سا آدمی ہوں اور غریب بھی ہوں اس لئے مکان خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

پولیس: ہماری معلومات ہے کہ آپ کے پاس گلشن اقبال میں دو بنگلے ہیں؟

حافظ صاحب: آپ دو بنگلوں کی بات کرتے ہیں مجھے آپ ایک ہی بنگلہ میرے نام کا دکھا دیں تا کہ مجھے سر چھپانے کی جگہ مل جائے۔

پولیس: آپ کی گاڑی کا خرچہ کہاں سے آتا ہے؟

حافظ صاحب: کراچی کا ہر یونٹ 200 روپے ماہانہ چندہ مرکز میں جمع کراتا ہے جس سے ہمارے تنظیمی اخراجات چلتے ہیں۔ اس کے علاوہ رسید بکوں کے ذریعے یونٹ چندہ جمع کرتے ہیں اس چندے کا کچھ حصہ بھی مرکز میں جمع ہوتا ہے۔

پولیس: آپ لوگوں کے پاس اسلحہ کہاں سے آتا ہے؟

حافظ صاحب: جماعتی طور پر کسی کو اسلحہ خرید کر نہیں دیا جاتا۔ شہر میں اسلحہ کی دوکانیں سرِ عام کھلی ہیں جس کے پاس رقم ہو وہ جا کر خرید سکتا ہے۔

پولیس: خود آپ کے پاس اسلحہ کہاں سے آتا ہے؟

حافظ صاحب: میرے پاس اسلحہ نہیں ہے۔ حکومت نے مجھے مسلح محافظ دیئے ہوئے ہیں۔ انہی کے پاس اسلحہ ہوتا ہے اور وہ گورنمنٹ کا اسلحہ ہے۔

پولیس: لگتا ہے کہ باتوں میں تو ہم آپ سے نہیں جیت سکتے۔ اب ہمیں دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔

اس کے بعد حافظ صاحب کو مزید ریمانڈ کے لئے عدالت میں لے جایا گیا۔ جہاں بہت سے جاننے والے وکلاء نے سرتوڑ کوشش کر کے حافظ صاحب کو مزید ریمانڈ سے بچا کر جیل بھجوا دیا اور یوں حافظ صاحب مزید پولیس تشدد سے محفوظ رہے۔

سپاہ صحابہؓ سندھ کے سیکریٹری اطلاعات

طارق محمود مدنی کی گرفتاری

محترم جناب طارق محمود مدنی صاحب سے رابطہ میں تعطل ہو جانے کی وجہ سے ان کی گرفتاری کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی البتہ 13 مارچ 1995ء کو جب انہیں جیل منتقل کر دیا گیا تو اسی روز ہمیں دارالقرآن میں اطلاع ملی کہ سپاہ صحابہؓ کے طارق مدنی جیل پہنچ گئے ہیں۔ انہیں جیل میں بی کلاس دی گئی تھی۔ ان پر کوئی مقدمہ قائم نہیں کیا گیا۔ صرف نظر بند کیا گیا تھا اور جیل میں انہیں قید تنہائی میں رکھا گیا تھا۔ چند روز بعد میں نے سپرنٹنڈنٹ سے ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ مجھے طارق مدنی صاحب سے ملاقات کا موقع فراہم کیا جائے۔ انہوں نے مجھے دوسرے روز طارق مدنی صاحب سے ملاقات کا موقع دیا۔ یہ ملاقات تقریباً 2 گھنٹے تک جاری رہی۔ اس ملاقات میں انہوں نے بتایا کہ مجھے آج سے تقریباً 12 روز قبل گرفتار کر کے موچکہ تھانہ میں رکھا گیا اور تھانہ کے عملہ نے ایک معزز مہمان کی طرح رکھا اور ہر طرح سے عزت افزائی کی۔

حافظ صاحب اور طارق مدنی کا دوسرا ریمانڈ:

محترم حافظ صاحب کو جیل میں ابھی 5 دن اور طارق مدنی صاحب کو 14 دن ہوئے تھے کہ مورخہ 27 مارچ 1995ء کو دونوں حضرات کو اجمیر نگری تھانہ کی پولیس دوبارہ ریمانڈ پر لے گئی۔ پولیس نے حافظ صاحب کا 14 دن اور طارق مدنی صاحب کا 7 روز کا جسمانی ریمانڈ حاصل کر لیا۔ حافظ صاحب اس ریمانڈ میں مسلسل پولیس اور رینجرز کی تحویل میں رہے جبکہ طارق مدنی صاحب کو پولیس صبح 9 بجے جیل سے لے جاتی اور شام 5 بجے واپس لے آتی۔

ایک دن شام 5 بجے جب طارق مدنی صاحب ریمانڈ سے واپس جیل پہنچے تو انہوں نے جیل حکام سے مجھ سے ملنے کی درخواست کی جسے منظور کر کے حکام نے مجھے جیل کے دفتر میں بلا کر طارق مدنی

صاحب سے ملاقات کروادی۔ اس ملاقات میں جناب طارق مدنی صاحب نے بتلایا کہ ابھی تک تو ریمانڈ کے دوران مجھ سے پولیس نے صرف بدتمیزی اور تلخی کا مظاہرہ کیا ہے اور جیل سے لے جاتے وقت ماڑی کے باہر ہی میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے اور یہ پٹی اس وقت کھولی جاتی ہے جب مجھے واپس لاکر شام کو جیل کے احاطے میں داخل کردیا جاتا ہے لیکن آئندہ چندروز میں تشدد ہونے کے امکانات نظر آرہے ہیں۔

چندروز مزید گزرنے کے بعد جب طارق مدنی کا سات روزہ ریمانڈ ختم ہوا تو پولیس نے مزید 7 روزہ ریمانڈ حاصل کرلیا۔ اس دوران ایک روز جب میں اسپیشل کورٹ میں پیشی کیلئے جارہا تھا تو اتفاقاً طارق مدنی صاحب سے ماڑی کے پاس ملاقات ہوگئی۔ وہ اس وقت ریمانڈ کے لئے لے جائے جارہے تھے۔ اس وقت کی سرسری ملاقات میں انہوں نے مجھے بتایا کہ پولیس نے آنکھوں پر پٹی اور دونوں ہاتھ پیچھے باندھ کر الٹا لٹکا کر خوب تشدد کیا ہے۔ جس پر میں نے انہیں صبر کرنے کی تلقین کی اور دعا کی اللہ تعالیٰ بہتری فرمائیں گے۔

اس ریمانڈ میں محترم حافظ صاحب اور طارق مدنی صاحب کو پولیس نے الگ الگ مقامات پر رکھا ہوا تھا لیکن کبھی کبھی دونوں کو ایک ہی کمرے میں آنکھوں پر پٹی باندھ کر بٹھا دیا جاتا تھا۔ طارق مدنی نے بتایا کہ جب پولیس والے ہم دونوں کو ایک کمرے میں بٹھا کر چلے جاتے تو حافظ صاحب موقع پا کر آنکھوں کی پٹی تھوڑی سی اوپر نیچے سرکا کر دیکھ لیتے کہ میرے ہمراہ اس کمرے میں برادرم طارق مدنی بھی موجود ہیں اور کبھی کبھی سلام دعا کا بھی موقع مل جاتا لیکن ساتھ ہی یہ خطرہ بھی ہوتا تھا کہ اگر پولیس والوں کو پتہ چل گیا تو خوب درگت بنے گی۔ اس لئے کہ وہاں کسی دوسرے قیدی سے بات کرنا ناقابل معافی جرم تھا۔

طارق مدنی کی رہائی اور گرفتاری:

مورخہ 10 اپریل 1995ء کو محترم حافظ صاحب اور طارق مدنی صاحب دونوں کا جسمانی ریمانڈ ختم ہوگیا۔ طارق مدنی صاحب پر اس دوران پولیس کوئی مقدمہ قائم نہ کرسکی اس لئے انہیں 10 اپریل 1995ء کو رہا کرکے دوبارہ جیل کے دروازے سے ہی گرفتار کرلیا گیا۔

''اڑنے بھی نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے''

گلبرگ تھانہ میں انہیں 24 مئی تک ریمانڈ پر رکھنے کے بعد شام کو پھر جیل منتقل کردیا۔ اس دوران ان پر کافی مقدمات قائم کئے گئے لیکن پھر دفعہ 169 کے تحت تمام مقدمات ختم کرکے انہیں نظر بندی کے احکامات کے تحت جیل بھیج دیا گیا۔

جیل میں جمعہ 26 مئی 1995ء جناب طارق مدنی صاحب بی کلاس سے جمعہ پڑھنے دارالقرآن تشریف لائے۔ بعد نماز جمعہ تھوڑی دیر نشست ہوئی اور پھر وہ واپس بی کلاس روانہ ہوگئے۔ انہوں نے بتایا کہ گلبرگ تھانہ والوں نے مجھے تشدد کا نشانہ نہیں بنایا بلکہ ایک معزز مہمان کی طرح عزت دی۔

طارق مدنی کی رہائی:

10 محرم 1416 ہجری سے قبل اہل تشیع نے اپنے بعض اسیروں کی رہائی کا حکومت سے بھرپور مطالبہ کیا تھا اور انتظامیہ کو یہ خطرہ تھا کہ اگر شیعہ کے مطلوبہ افراد کو رہا نہ کیا تو وہ اپنے 10 محرم کے جلوس کے موقع پر شاید ایم اے جناح روڈ کو بلاک کردینگے۔ اس لئے انتظامیہ نے شیعہ کے بعض افراد کو رہا کردیا اور ادھر سپاہ صحابہؓ کے رہنما طارق محمود مدنی کو بھی 10 محرم بروز جمعہ رات 9 بجے رہا کردیا گیا۔

حافظ صاحب کی آپ بیتی

میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ 10 اپریل کو ریمانڈ ختم ہونے پر طارق مدنی صاحب کو رہا کر کے دوبارہ گرفتار کر لیا تھا۔ لیکن محترم حافظ صاحب کو جھوٹے مقدمات کا نشانہ بنا کر 11 اپریل کو دوبارہ جیل بھیج دیا گیا۔ پہلے روز انہیں بند وارڈ میں رکھا گیا لیکن ناچیز کی کوشش سے تیسرے روز انہیں پھر دارالقرآن منتقل کر دیا گیا۔ دارالقرآن آنے کے بعد انہوں نے حالیہ ریمانڈ کی کارگزاری سنائی جو حافظ صاحب کی زبانی سماعت فرمایئے۔

جیسا کہ آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ مجھے 27 مارچ 1995ء کو اجمیر نگری تھانہ کے ایس ایچ او شاہ محمد جیل سے ریمانڈ پر لے گئے اور مجھے رینجرز کے حوالے کر دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اجمیر نگری تھانہ میں مجھ پر کوئی مقدمہ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اجمیر نگری تھانہ کی طرف سے میرا ریمانڈ ناقابل فہم تھا۔ چنانچہ میں نے رینجرز کے اہلکاروں سے احتجاج کیا کہ ایس ایچ او اجمیر نگری کس بنیاد پر مجھے ریمانڈ پر لائے ہیں؟ رینجرز کے اہلکاروں نے ایس ایچ او کو ریمانڈ کی وجہ بتلانے کو کہا تو اس نے کہا میں ایک دو روز میں چیک کر کے بتاؤں گا۔ دو دن بعد ایس ایچ او اجمیر نگری آئے اور انہوں نے رینجرز کے اہلکاروں کو بتایا کہ بفرزون میں چار بھائیوں کے اجتماعی قتل کا مقدمہ حافظ صاحب پر ہے۔ اس مقدمہ کی تفتیش کیلئے ان کا ریمانڈ حاصل کیا گیا۔ جبکہ یہ مقدمہ بھی میرے اوپر نہیں تھا، لیکن رینجرز کے استفسار پر دو دن کے اندر اندر ایس ایچ او اجمیر نگری نے یہ مقدمہ میرے اوپر ڈال دیا جس سے انہیں ریمانڈ کا جواز مل گیا حالانکہ ریمانڈ کی اصل وجہ کچھ اور تھی۔

ریمانڈ کی اصل وجہ:

چند ماہ قبل اجمیر نگری تھانہ کی حدود میں سپاہ صحابہؓ کے تین کارکنوں زکاء اللہ، زاہد حسین وغیرہ کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا تھا۔ ابھی جنازے گھروں میں رکھے ہوئے تھے کہ اجمیر نگری تھانہ کی

پولیس مقتولین کے گھروں میں گھس گئی اور اسلحہ تلاش کرنے کے بہانے گھر کی خواتین سے بدتمیزی کی۔

ایک طرف تین کارکنوں کی شہادت کا صدمہ اور دوسری طرف پولیس کی اس زیادتی نے سپاہ صحابہؓ کے کارکنوں کو مزید مشتعل کردیا اور انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ ہم اس وقت تک جنازے نہیں اٹھائیں گے جب تک انتظامیہ کراچی پولیس کی اس غنڈہ گردی کا نوٹس نہ لے لے۔ اس نازک ترین صورتحال میں، میں نے انتظامیہ کے بعض افسران سے رابطہ کیا اور کہا کہ آپ ہمارے ساتھیوں کی دلجوئی کے لئے متاثرہ افراد کے پاس چلے جائیں اور غنڈہ گردی کرنے والے پولیس اہلکاروں کے خلاف کاروائی کی یقین دہانی کرادیں۔ آگے میں خود سنبھال لوں گا۔ چنانچہ میری درخواست پر مقامی SHO، SDM اور بعض دیگر ذمہ داران موقع پر پہنچے اور ان کی موجودگی میں اپنے کارکنوں کو پرامن رہنے اور جنازے اٹھانے کی تلقین کی جس پر کارکنوں کا اشتعال کم ہوا اور جنازے اٹھالئے گئے۔

ایس ایچ او اجمیر نگری نے اس بات کو اپنی توہین پر محمول کیا اور ریمانڈ کے دوران کہا کہ ہم نے اپنی اسی بے عزتی اور توہین کا بدلہ لینے کیلئے آپ کا ریمانڈ حاصل کیا ہے اور اس ریمانڈ کی ہدایت ہمیں آئی جی سندھ افضل شگری نے کی ہے۔ اس لئے اب آپ ہماری حراست میں ہیں۔ ہم اس بے عزتی کا تم سے ایسا انتقام لیں گے کہ تم یاد کرو گے۔

اسلحہ میں دونگا کام تم کرو:

ہمیں باوثوق ذرائع سے یہ خبر ملی تھی کہ کچھ عرصے قبل آئی جی سندھ افضل شگری نے شیعوں کی ایک نجی میٹنگ میں شمولیت کی ہے اور شیعوں کے ذمہ داروں کو یہ ہدایت کی ہے کہ اگر سپاہ صحابہؓ کے ڈیڑھ سو مولوی قتل کردیئے جائیں تو یہ تنظیم ختم ہوجائیگی۔ اس کام کیلئے گولیاں میں دونگا کام تم کرو اور گھبراؤ مت تم لوگوں پر کوئی مقدمہ نہیں بننے دونگا۔ چنانچہ اس میٹنگ کے کچھ روز بعد مسجد اکبر کا سانحہ عمل میں آیا۔

کچھ روز بعد کراچی میں امن وامان کے سلسلے میں کمشنر کراچی کے یہاں ایک میٹنگ ہوئی جس میں

آئی جی سندھ، ڈی آئی جی کراچی بھی موجود تھے۔ اس موقع پر میں (حافظ صاحب) نے افضل شگری (آئی جی سندھ) کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا دل آپ کے لئے صاف نہیں ہے۔ لہذا آپ سے خصوصی میٹنگ کر کے اپنے بعض خدشات کا ازالہ چاہتا ہوں۔ جس پر افضل شگری نے طنزاً سر ہلایا اور کہا ٹھیک ہے۔

شیعوں کی خفیہ میٹنگ میں افضل شگری نے جو ہدایات دی تھیں ان ہی کے مطابق سپاہ صحابہ کراچی کے صدر قاری سعید الرحمٰن سمیت مسجد اکبر کے 9 نمازیوں کو شہید کر دیا گیا اور بعض دوسرے مقامات پر بھی ہمارے کارکنوں کو شہید کیا گیا۔

قاری سعید الرحمٰن کی شہادت کے موقع پر مجھے وہاں کے مقامی لوگوں نے بتایا کہ ہم نے اس سانحہ کے فوراً بعد مسجد اکبر کے قریب سے 3 سرکاری گاڑیوں کو گزرتے دیکھا جن میں سے 2 چھوٹی اور ایک بڑی گاڑی تھی۔ اور بڑی گاڑی عموماً آئی جی سندھ افضل شگری کے استعمال میں رہتی ہے۔ اس وجہ سے ہم نے قاری صاحب کی شہادت کے سانحہ میں افضل شگری کو بھی شامل تفتیش کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ جس کی وضاحت کی بجائے افضل شگری نے ہمارے خلاف کاروائی کرنے اور انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔

سرکاری بربریت کی انتہا:

مورخہ 27 مارچ 1995ء کو جیل سے ریمانڈ پر لے جا کر ایس ایچ او اجمیر نگری نے مجھے (حافظ صاحب کو) رینجرز کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے مجھے جاتے ہی ایک کمرے میں دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا اور کہا کہ جس قدر پاؤں پھیلا سکتے ہو پھیلاؤ۔ چنانچہ مجھ سے جہاں تک ہو سکا میں نے پاؤں پھیلا لئے اور کھڑا ہو گیا اس طرح مسلسل تین دن، تین راتیں مجھے کھڑا رکھا گیا۔ جب میں نیند اور تھکاوٹ کی بناء پر اپنے آپ پر قابو نہ پا سکتا اور گر جاتا تو ڈنڈوں سے پیٹا جاتا اور پھر اٹھا کر کھڑا کر دیا جاتا۔ تین دن کے بعد مجھے پتہ چلا کہ ہمارے دیگر تنظیمی ساتھی منصور علی بابر، کریم اللہ شریف، محمد فاضل بھی گرفتار ہو چکے

ہیں۔ پولیس نے ان پر بے پناہ تشدد کیا تھا اور انہیں اس بات پر مجبور کیا تھا کہ وہ پی ای سی ایچ ایس میں ایک ہی خاندان کے سات افراد کے قتل اور امام بارگاہ ابوالفضل اور امام بارگاہ محفل مرتضیٰ میں اجتماعی قتل کی ذمہ داری قبول کریں۔ انہوں نے پولیس تشدد سے مجبور ہو کر جب پولیس کی مرضی کے بیانات دیئے اور مذکورہ واقعات کی ذمہ داری قبول کر لی تو ان کے بیانات کیسٹ میں ریکارڈ کر کے مجھے سنوائے گئے اور کہا گیا کہ یہ سنو، تمہارے اپنے ساتھی اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ مذکورہ واقعات میں ہم ملوث ہیں اور یہ سب کچھ ہم نے حافظ صاحب کی ہدایت پر کیا ہے۔

میں آڈیو کیسٹ میں منصور علی بابر وغیرہ کی آواز میں جرائم کا اقرار سن کر حیرت زدہ رہ گیا لیکن ساتھ ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ سب پولیس کے اپنے بیانات ہیں جو تشدد کر کے ہمارے ساتھیوں سے زبردستی کہلوائے گئے ہیں۔ مجھے اس بات کا یقین اس وقت ہوا کہ جب مجھے کہا گیا کہ تم بھی اس بات کا اقرار کرو کہ میری ہدایت پر مذکورہ واقعات رونما ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اپنے ساتھیوں کے ریکارڈ شدہ بیانات پر تو کوئی تبصرہ نہیں کر سکتا البتہ یہ ضرور ہے کہ ان کے بیانات میں ایک فیصد بھی صداقت نہیں ہے اور میں کسی شخص کے قتل کا حکم دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہی یہ ہمارا منشور ہے بلکہ ہم دہشت گردی کی شدید مذمت کرتے ہیں اور ہم نے دہشت گردی کے خاتمے اور قیام امن کے لئے ہمیشہ انتظامیہ سے تعاون کیا ہے۔

جرم تسلیم کرلو ورنہ جان سے ماردیں گے:

جب میں نے اقبال جرم سے معذرت کی اور کہا کہ میں اس بات کا اقرار کیسے کر سکتا ہوں جو میں نے کی ہی نہیں۔ تو مجھے ہاتھ پیچھے باندھ کر الٹا لٹکا دیا گیا اور پاؤں کے تلوؤں پر ڈنڈے برسائے گئے۔ جس کی وجہ سے تھوڑی دیر بعد میں بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو میں فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد پھر وہی کچھ کیا گیا جو پہلے میں بھگت چکا تھا۔ مجھے نہ صرف الٹا لٹکا کر مارا گیا بلکہ تھانہ کے

مخصوص چھتروں سے بھی مشق ستم بنایا گیا۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ یہ تشدد کے باوجود بھی اقبال جرم کرنے سے گریز کر رہے ہیں تو سرکاری اہلکار مجھے ایک رات کو کسی سنسان جگہ پر لے گئے وہاں پر پہلے سے ایک گڑھا کھدا ہوا تھا۔ مجھے اس گڑھے میں بڑی بے دردی کے ساتھ پھینک دیا گیا اور میرے اوپر مٹی ڈال دی گئی۔ یہ صورتحال دیکھ کر میں نے محسوس کرلیا کہ شاید اب میرا آخری وقت ہے۔ چنانچہ میں نے کلمہ وغیرہ پڑھ لیا اور دل ہی دل میں اللہ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں سے توبہ کرلی۔ لیکن چند منٹ بعد مٹی ہٹا کر مجھے گڑھے سے باہر نکالا گیا اور پھر اسی ٹارچر سیل میں بند کردیا گیا جہاں میں پہلے تھا۔ اس تشدد کے دوران میری بینائی اور ایک کان کی سماعت بری طرح متاثر ہوئی۔

نذر آتش کرنے کی کوشش:

دوران ریمانڈ ایک مرتبہ سرکاری اہل کار مجھے کسی نامعلوم مقام پر لے گئے اور وہاں پر ایک تنور میں آگ جلائی گئی۔ میرے کپڑے اتار دیئے گئے اور ایک آدمی نے میرے ہاتھ پکڑے، دوسرے نے میرے پاؤں پکڑے اور جلتے ہوئے تنور کے اوپر لے جا کر مجھے آگ میں جلانے کی کوشش کرتے رہے اور کہتے رہے کہ ہم جو کچھ تم سے کہلوانا چاہتے ہیں وہ اپنی زبان سے کہہ دو ورنہ تمہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ میں نے سوچا کہ اگر جان جانے کا خطرہ ہو تو شریعت اس موقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت تو دیتی ہے تو میں بھی اگر پولیس کی مرضی کے بیانات دے کر اپنی جان بچالوں تو عنداللہ مجرم نہیں ہوں گا۔ لہٰذا میں نے سرکاری اہلکاروں سے کہا کہ اگر آپ مجھ سے جھوٹے بیانات لینے پر مصر ہیں تو ٹھیک آپ بتادیں۔ میں وہی کچھ اپنی زبان سے کہہ کر آپ کو ریکارڈ کروادوں گا۔

سپاہ صحابہؓ اس دور کا سب سے بڑا فتنہ:

منصور علی بابر اور محمد فاضل وغیرہ کے سرکاری اہلکاروں نے مجھ سے جو بیانات دلوائے۔ ان میں بیانات کی تصدیق اور اجتماعی قتل کی متعدد وارداتیں کروانے کا اعتراف تھا۔ وہاں یہ بھی کہلوایا گیا کہ سپاہ

سپاہ صحابہ ؓ تک کی سب سے بڑی دہشت گرد جماعت اور اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔
میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر محض جان بچانے کیلئے مذکورہ بیانات دیئے جنہیں فوراً کیسٹ میں ریکارڈ کر لیا گیا۔ اس دوران سرکاری اہلکاروں نے قائد شہید علامہ حق نواز جھنگوی ؒ، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی، مولانا اعظم طارق اور سپاہ صحابہ ؓ کے دیگر قائدین کو ایسی ایسی غلیظ ترین گالیاں دیں جنہیں اپنی زبان پر نہیں لا سکتا۔ چودہ دن تک تفتیش کے ان صبر آزما، دلخراش، جگر پاش اور اذیت ناک مراحل سے گذرنے کے بعد 11 اپریل 1995ء کو مجھے جیل بھیج دیا گیا۔

حافظ صاحب کا تیسرا ریمانڈ:

حافظ صاحب کے دوسرے ریمانڈ کی داستانِ الم آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس ریمانڈ کے ختم ہونے کے بعد محترم حافظ صاحب کو جیل میں ایک بار پھر بند وارڈ میں بند کر دیا گیا۔ دوسرے روز ہماری درخواست پر جیل انتظامیہ نے حافظ صاحب کو دارالقرآن بھیج دیا۔

جیل میں ابھی حافظ صاحب کو صرف 9 دن ہوئے تھے کہ مورخہ 20 اپریل 1995ء کو تیسری بار انہیں ریمانڈ پر لے جایا گیا۔ اس ریمانڈ کی تفصیلات بھی محترم حافظ صاحب کی زبانی سنیئے۔

ریمانڈ لینے والی ٹیم:

مجھے 20 اپریل 1995ء کو جیل سے ریمانڈ پر لے جانے کے لئے DSP مقبول حسین شاہ (شیعہ) نے ایک تفتیشی ٹیم بھیجی جن کے نام یہ ہیں۔

1۔ ٹیم کا انچارج: مقبول حسین شاہ DSP (شیعہ)

2۔ ٹیم کا سربراہ: جاوید عباس (شیعہ)

3۔ ٹیم کے ارکان: عرفان حیدر، حیدر علی اور شاہ جی وغیرہ

4۔ معاون: چوہدری منصب علی DSP آئی جی سیل

5۔ تفتیشی افسر: کنور آصف علی

مذکورہ تفتیشی ٹیم میں اکثر شیعہ افسران نظر آتے ہیں۔ جن سے خیر کی توقع کہاں ہوسکتی ہے۔ چنانچہ مجھے نامعلوم مقام پر منتقل کردیا گیا اور روزانہ رات کو حوالات سے باہر نکال کر مجھے کسی کمرے میں لے جایا جاتا اور الٹا لٹکا کر تشدد کیا جاتا۔

ایک رات مجھے حسب معمول حوالات سے نکال کر ایک کمرے میں الٹا لٹکا دیا گیا اور اس قدر تشدد کیا گیا کہ میں بے ہوش ہوگیا۔ صبح جب ہوش آیا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میرا پورا جسم خون سے رنگین تھا۔ کپڑے خون سے بھر گئے تھے اور جسم پر جگہ جگہ زخموں کے نشانات تھے جن سے خون بہہ رہا تھا۔ مجھے معلوم نہیں ہوسکا کہ مجھے کس چیز سے مارا گیا تھا اور کیسے مارا گیا۔ اس لئے کہ میں بے ہوش تھا، میری بے ہوشی کے باوجود بھی سرکاری اہلکار مجھ پر تشدد کرتے رہے ہونگے جس کا مجھے کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ اس تفتیشی ٹیم نے جہاں درندگی اور سفاکی کی انتہا کردی تھی وہاں اس ٹیم میں ایک رحم دل شخص منظور قادر لڈن اے ایس آئی بھی تھا جس نے دوسرے روز مجھے خون میں لت پت دیکھ کر پوری ٹیم کو خوب ڈانٹا جس پر اسے ٹیم سے خارج کردیا گیا اور کچھ روز بعد اسے قتل کردیا گیا۔

ذہنی اذیت:

ڈی ایس پی مقبول حسین شاہ نے جہاں مجھ پر جسمانی تشدد کی انتہا کردی تھی وہاں ذہنی طور پر بھی مجھے اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ گذشتہ ریمانڈ کے دوران رینجرز کے سامنے مجھ سے جو بیانات تشدد کے ذریعے دلوائے گئے تھے ڈی ایس پی مقبول حسین شاہ کا اصرار تھا کہ وہ بیانات میں ان کے سامنے بھی دوں تاکہ ان کے پاس بھی ریکارڈ رہے۔ چنانچہ مقبول حسین شاہ مجھ سے کہنے لگا کہ رینجرز کے سامنے دیئے گئے بیانات آپ کو یہاں بھی دینا ہونگے ورنہ میں تمہاری بچیوں کو اغواء کروالوں گا۔ اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ، علامہ جھنگوی شہیدؒ اور قائدین سپاہ صحابہؓ کے خلاف ایسی غلیظ زبان

استعمال کی جاتی رہی کہ جسے سن کر میں لہو کے گھونٹ پی کر برداشت کرتا۔ 14 دن کا ریمانڈ پورا ہونے کے بعد مورخہ 3 مئی 1995ء کو مجھے پھر جیل بھیج دیا گیا۔ یہاں آ کر پتہ چلا کہ مجھ سے قبل دیگر تنظیمی ساتھی صغیر احمد شیخ، منصور علی بابر، فاضل، سید اشتیاق علی، سید آصف علی، کریم اللہ شریف، احمد ظہور، گلزار احمد، محمد احمد وغیرہ بھی جیل پہنچ چکے ہیں۔

جیل میں عیدالاضحیٰ

محترم حافظ احمد بخش ایڈوکیٹ تو 3 مئی 1995ء کو جیل میں آ گئے تھے لیکن دیگر ساتھی اس کے بعد بھی مختلف اوقات میں ریمانڈ پر جاتے آتے رہے۔ یہاں تک عیدالاضحیٰ کے دن بھی بعض ساتھی ریمانڈ پر پولیس کی حراست میں تھے۔ لیکن جب وہ واپس آتے تو انہیں حافظ صاحب کے ساتھ بند وارڈ میں رکھا جاتا۔ عید وغیرہ کے موقع پر بند وارڈ کے قیدیوں کو بھی عید پڑھنے کیلئے چھوڑا جاتا ہے جو دوسرے قیدیوں کے ساتھ عید پڑھتے ہیں۔

قیدی کی عید:

عید تو درحقیقت آزاد انسان کی ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ موقع ہر مسلمان کے لئے بڑی خوشی کا موقع ہوتا ہے کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے ملت اسلامیہ کے لئے دو عیدیں مقرر کی ہیں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ۔

ان ایام کے موقع پر ہر مسلمان کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھتا ہے۔ لیکن جیل میں مقید قیدی بھی اگرچہ جیل میں نماز عید ادا کرتے ہیں اور بعد نماز عید دستور زمانہ باہم بغلگیر ہو کر ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان کے چہروں پر آزاد مسلمانوں کی طرح خوشی و مسرت کا رقص نظر نہیں آتا بلکہ چہروں سے پریشانی کے آثار اور آنکھوں سے بے بسی کے آنسو ٹپک ٹپک کر احوال دل کی ترجمانی کر رہے ہوتے ہیں کہ اے کاش! عید کے ان پر مسرت لمحات میں ہم بھی آزاد فضاؤں میں اپنے بیوی، بچوں، اہل قرابت اور احباب کے ساتھ عید کی حقیقی مسرتوں سے لطف اندوز ہوتے۔ یہ خیالات آتے ہی آنکھوں سے آنسوؤں کی نہ تھمنے والی برسات شروع ہو جاتی ہے۔

آیا ہی تھا خیال کہ آنکھیں چھلک پڑیں
آنسو کسی کی یاد میں کتنے قریب ہیں

حافظ صاحب سے ملاقات:

دوسرے قیدیوں کی طرح محترم حافظ صاحب کو بھی عید کی نماز پڑھنے کے لئے بند وارڈ سے نکال کر دارالقرآن لایا گیا تھا۔ ان کے ہمراہ مولانا دُر محمد اور عبید اللہ بلوچ بھی تھے۔

20 اپریل 1995ء کے بعد حافظ صاحب سے ہماری ملاقات عید الاضحیٰ کے موقع پر مورخہ 10 مئی 1995ء کو دارالقرآن میں ہوئی تھی۔ نماز عید کے بعد چند منٹ ان سے نشست ہوئی جس میں انہوں نے تیسرے ریمانڈ کی مختصر کہانی سنائی اور جسم پر زخموں کے نشانات دکھائے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں دوبارہ بند وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔

خواجہ سلیم الدین کی گرفتاری:

بفرزون سے خواجہ سلیم الدین کو گرفتار کر کے محترم حافظ صاحب اور دیگر ساتھیوں کے مقدمات میں ملوث کر دیا گیا تھا۔ پولیس نے ان پر بے پناہ تشدد کر کے انہیں بھی ان تمام جرائم کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا جن میں دوسرے کارکنوں اور حافظ صاحب کو ملوث کیا گیا تھا۔

پولیس نے محترم حافظ صاحب کے جھوٹے مقدمات کو پختہ بنانے کیلئے خواجہ سلیم الدین اور بعض دیگر کارکنوں کو یہ کہنے پر بھی مجبور کیا تھا کہ حافظ صاحب ہمیں شیعوں کو قتل کرنے کا حکم دیتے تھے اور فی قتل 3000 روپے دیتے تھے۔

خواجہ سلیم الدین کو 22 مئی 1995ء کو جیل بھیج دیا گیا چونکہ پولیس کی حراست میں خواجہ سلیم الدین کے بیانات اخبارات میں شائع ہو چکے تھے اس لئے جب انہیں جیل بھیجا گیا تو جیل حکام نے ان سے تصدیق کی کہ خواجہ سلیم الدین آپ ہی ہیں؟ جب انہوں نے کہا ”ہاں! خواجہ سلیم الدین میں ہی ہوں“ تو بند وارڈ میں پہلے سے موجود تنظیمی ساتھیوں پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی بند وارڈ میں ایک ایک دن قیدی کے لئے ایک ایک ماہ کے برابر ہوتا ہے لیکن خواجہ سلیم الدین کی وجہ سے محترم حافظ صاحب اور دیگر

کارکنان جو پہلے ہی بند وارڈ میں تھے، مزید زیر عتاب آ گئے۔

کربناک نظارہ:

خواجہ سلیم الدین کو بھی دیگر ساتھیوں کے پاس بند وارڈ میں لایا گیا اور محترم حافظ صاحب، صغیر احمد شیخ، منصور علی بابر، سید اشتیاق علی، سید آصف علی اور فاضل وغیرہ کو سامنے کھڑا کر کے خواجہ سلیم الدین سے پوچھا گیا کہ تم ان میں سے کس کس کو جانتے ہو؟ انہوں نے صغیر احمد شیخ اور سید اشتیاق علی کے علاوہ باقی سب کے بارے میں کہا کہ میں انہیں جانتا ہوں۔ چنانچہ مذکورہ دو افراد کے علاوہ بقیہ تمام افراد کو برہنہ کر کے ان پر جیل انتظامیہ نے بے پناہ تشدد کیا۔

محترم حافظ صاحب چونکہ جماعت کے سربراہ تھے اس لئے انہیں سب سے زیادہ تشدد سہنا پڑا۔ انہیں تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد جیلر نے مرغا بننے کو کہا۔ حافظ صاحب چونکہ تشدد کی وجہ سے کافی نڈھال تھے اس لئے ان سے مرغا نہ بنا جا سکا تو اس پر انہیں مزید تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔

خواجہ سلیم الدین سے میرے بارے میں بھی پوچھا کہ آپ ان مولوی صاحب کو جانتے ہیں جو دارالقرآن میں ہوتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہاں میں انہیں بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ جامع صدیق اکبرؓ میں امام وخطیب ہیں۔

دوسرے روز 23 مئی 1995ء کو جب میں اپنے کسی کام سے جیلر کے دفتر گیا تو انہوں نے مجھے سپرنٹنڈنٹ صاحب سے ملنے کیلئے کہا۔ میں جب سپرنٹنڈنٹ صاحب کے دفتر پہنچا تو پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت انہوں نے مجھے سخت سست کہا اور ماتحت عملہ کو حکم دیا کہ ان کو فوراً بند وارڈ میں ڈال دیا جائے۔ انہوں نے بھی بڑی تعداد میں بندے قتل کروائے ہیں۔

نادر شاہی حکم صادر ہونا تھا کہ مجھے فی الفور بند وارڈ لے جایا گیا اور تقریباً 4 فٹ کا آڑ الگا کر برہنہ کر کے بے پناہ تشدد کیا گیا اور پھر ایک چھوٹے سے کمرے میں جہاں 6 قیدی پہلے ہی موجود تھے بند

کردیا گیا۔

نوٹ: آڑا، لوہے کی ایک موٹی راڈ کا نام ہے جس کی لمبائی کم از کم 2 فٹ اور زیادہ سے زیادہ ساڑھے چار فٹ ہوتی ہے۔قیدی کے دونوں پاؤں میں بیڑی ڈالنے کے بعد دونوں پاؤں کھول کر درمیان میں اس راڈ کو اس طرح باندھ دیا جاتا کہ پاؤں کھلے رہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے چلنے پھرنے میں کافی دشواری ہوتی ہے۔

تقریباً 3 بجے سہہ پہر مجھے آڑا لگا کر بند کردیا گیا تھا۔اسی روز شام 5 بجے جب جیلر نئے قیدیوں کے ملاحظے کیلئے بند وارڈ میں تشریف لائے تو انہوں نے مجھے بلایا اور آڑا نکال دیا اور کہا کہ میں آپ کو دوبارہ دارالقرآن بھجوانے کی سفارش کروں گا۔دوسرے روز مغرب کی اذانوں کے وقت مجھے بند وارڈ سے نکال کر دوبارہ دارالقرآن بھیج دیا گیا۔جہاں پر سپاہ صحابہؓ کے ساتھی قاری سید شہزاد علی، محمد شکیل، محمد تسلیم، ارشد فاروقی وغیرہ مجھ پر ہونے والی اس زیادتی پر بہت پریشان تھے۔میرے واپس آنے پر انہیں اطمینان ہوا۔

بند وارڈ کیا ہے؟

بند وارڈ کو آسان اور سیدھے سادھے الفاظ میں زندوں کا قبرستان کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔اس وارڈ میں 15 چھوٹے کمرے (کھولیاں) ہیں۔جن میں ان قیدیوں کو رکھا جاتا ہے جنہوں نے جیل قوانین کی خلاف ورزی کی ہو یا دوسرے قیدیوں سے لڑائی جھگڑا کرنے کی وجہ سے حکام کے سامنے پیشی ہوئی ہو یا پھر بہت بڑے دہشت گردوں کو اس وارڈ میں رکھا جاتا ہے۔

اس وارڈ کی کھولیاں 24 گھنٹے بند رکھی جاتی ہیں جبکہ کھولیوں کے اندر بیت الخلاء کا کوئی مناسب انتظام نہیں ہے۔ایک کونے میں معمولی سا دیوار کا پردہ بنا کر پیشاب، پاخانہ کرنے کی جگہ بنائی گئی ہے جس کے پانی کے نکاس کا کوئی راستہ نہیں ہے۔روزانہ صبح خاکروب آکر اسے صاف کر جاتا ہے۔پانی کے نکاس کا صحیح انتظام نہ ہونے کی وجہ سے کمرے (کھولی) میں پیشاب وغیرہ کی بدبو سے قیدیوں کو سخت بے قراری ہوتی ہے۔کھانا کھانے کیلئے برتن وغیرہ یا گلاس رکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔بلکہ جیل حکام ہر کمرے میں صرف ۲ پلاسٹک کے پیالے سالن ڈالنے کیلئے فراہم کرتے ہیں پانی پلاسٹک کی بوتلوں میں دیا جاتا ہے۔6 یا 7 قیدیوں کے لئے 24 گھنٹے میں 5 یا 6 بوتلیں پانی دیا جاتا ہے۔قیدی چاہیں تو وہ پانی پئیں، منہ ہاتھ دھوئیں یا استنجا کریں۔وضو کیلئے پانی نہ ہونے کی وجہ سے یہاں پر تیمم کر کے نماز پڑھنا پڑتی ہے۔جو قیدی کسی پیشی کی وجہ سے یہاں لایا جاتا ہے اس کی شلوار سے ازار بند نکال لیا جاتا ہے تاکہ قیدی بند وارڈ کی اذیتوں سے دلبرداشتہ ہو کر گلے میں پھندہ نہ ڈال سکے۔

حافظ صاحب کا اخباری بیان:

محترم حافظ صاحب اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ بند وارڈ میں تھے کہ اس دوران بعض اخبارات میں ان کا بیان شائع ہوا کہ ”ہتھکڑیاں، بیڑیاں اور جیلیں ہمیں راہِ حق سے نہیں ہٹا سکتیں“۔ مذکورہ اخباری بیان جب سپرنٹنڈنٹ جیل کی نظر سے گذرا تو وہ غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا اور بند وارڈ میں آکر

محترم حافظ صاحب کو برا بھلا کہا اور مزید سختی کرتے ہوئے ان کے ہاتھ ہتھکڑی کے ساتھ پیٹھ کے پیچھے باندھ دیئے اور بیڑی لگا کر اسے بھی پیچھے کی طرف سے ہتھکڑی سے باندھ دیا اور فرش پر کروٹ کے بل لٹا دیا گیا۔ اس طرح بیڑی اور ہتھکڑی لگ جانے سے قیدی بس کروٹ کے بل ہی لیٹا رہتا ہے، نہ وہ سیدھا لیٹ سکتا ہے اور نہ ہی خود اٹھ سکتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد سپرنٹنڈنٹ جیل کے حکم پر بیڑی اور ہتھکڑی کھول دی گئی اس طرح جیل میں آنے کے بعد بھی محض اخباری بیان پر حافظ صاحب کی تذلیل کی گئی کہ انہوں نے بند وارڈ سے اخباری بیان کیسے شائع کروایا۔

دوسرے ساتھیوں پر سختیاں: جب کسی روز بند وارڈ کے ساتھیوں کی طرف سے کوئی اخباری بیان شائع ہوتا تو اس روز انہیں جیل انتظامیہ خوب تشدد کا نشانہ بناتی اور انہیں اخباری بیان شائع کروانے کی سزا دی جاتی۔ بند وارڈ میں مختلف اوقات میں ان کارکنوں پر تشدد کیا جاتا۔

ماہانہ بھتہ: ایک عرصہ تک بند وارڈ میں صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد بالآخر کراچی کے تنظیمی ساتھیوں اور قیدیوں کے لواحقین نے جیل حکام کیلئے کچھ ماہانہ بھتہ کا انتظام کیا تو روز روز کی خواری اور مشقتوں سے نجات ملی۔ اس سے قبل انہیں بند وارڈ میں 24 گھنٹے کمروں میں بند رکھا جاتا۔ لیکن بھتہ کا انتظام ہونے کے بعد انہیں بند وارڈ سے سیکورٹی 2 میں منتقل کر دیا گیا اور وہاں صبح و شام دو دو گھنٹے کے لئے انہیں کمروں سے باہر صحن میں نکالا جاتا اور انہیں چہل قدمی کا موقع فراہم کیا جاتا۔

آہستہ آہستہ سختیاں کم ہوتی گئیں اور بالآخر ان ساتھیوں کو صبح 7 بجے تک کمروں سے باہر نکالا جاتا اور شام کو تقریباً 6 بجے دوبارہ بند کر دیا جاتا۔ شروع شروع میں سیکورٹی نمبر 2 میں ملاقاتیوں کی طرف سے آنے والا کھانا اور دیگر اشیاء وغیرہ بلکہ کاغذ کا ایک پرزہ بھی لے جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن بعد میں اجازت مل گئی۔

مقدمات کی سماعت

20 جون 1995ء کو پی ای سی ایچ ایس میں ایک گھر کے سات افراد کے بہیمانہ قتل کا مقدمہ خصوصی عدالت میں چارج فریم ہوا۔ ملزمان پر فرد جرم عائد کردی گئی اور چند روز بعد امام بارگاہ ابوالفضل اور محفل مرتضیٰ کے مقدمات میں بھی فرد جرم عائد کردی گئی۔ اتفاق سے اسی روز خصوصی عدالت میں میری بھی پیشی کی تاریخ تھی اس لئے مجھے بھی دیگر ساتھیوں کے ہمراہ مخصوص گاڑی میں (جس میں صرف سپاہ صحابہؓ کے ساتھی تھے) خصوصی عدالت بھیجا گیا۔

بیڑی کی رعایت اور پھر پابندی:

29 دسمبر 1994ء کو جیل آنے کے بعد دہشت گردی کی خصوصی عدالت میں مجھے پہلی بار 2 فروری 1995ء کو لے جایا گیا تھا۔ اس روز جب مجھے بیڑیاں پہنا کر عدالت میں پیشی کیلئے روانہ کیا جانے لگا تو اتفاقاً سپرنٹنڈنٹ جیل جناب پیر شبیر جان سرہندی کی مجھ پر نظر پڑ گئی۔ انہوں نے مجھے بیڑیوں کے زیور سے آراستہ دیکھا تو فوراً جیل حکام سے کہا کہ ان کی بیڑیاں اتار دی جائیں۔ چنانچہ ان کے حکم پر بیڑیاں نہیں پہنائی جاتی تھیں۔ لیکن جس روز مجھے بند وارڈ بھیجا گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک مجھے پیشی کے لئے عدالت بھیجا ہی نہیں گیا البتہ 20 جون کو دیگر ساتھیوں کے ہمراہ مجھے جب عدالت بھیجا گیا تو بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ شاید اس لئے کہ اب جیل حکام کا رویہ کافی بدل گیا تھا اور محترم حافظ صاحب وغیرہ پر سنگین قسم کے مقدمات کی وجہ سے میں بھی زیر عتاب آگیا اور وہ سہولتیں واپس لے لی گئی جو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مجھے دے رکھی تھیں۔ مثلاً

1۔ کورٹ جاتے وقت بیڑیاں نہیں پہنائی جاتی تھیں اور جب عدالتی پولیس یہ دیکھتی کہ مجھے بیڑیاں لگی ہوئی نہیں ہیں تو وہ مجھے کوئی اہم شخصیت سمجھ کر ہتھکڑی لگانے سے گریز کرتی۔

2۔ ہفتے میں دو مرتبہ ماڑی کے اندر اسپیشل ملاقات کی رعایت بھی دی گئی تھی اور میرے اہل خانہ اور تنظیمی

احباب مجھ سے بالمشافہ ملاقات کرتے تھے وہ بھی ختم کردی گئی۔

3۔جیل میں اگر کوئی ساتھی مشقت کر رہا ہوتا تو میری سفارش پر اس کی مشقت معاف ہو جاتی۔

اس کے علاوہ جیل کا پورا عملہ میری بڑی عزت کرتا لیکن اب تمام سہولتیں واپس لے لی گئیں اور جیل حکام کے رویے میں بھی کافی تبدیلی آچکی تھی۔

بارہ آدمی ایک زنجیر میں:

حافظ صاحب وغیرہ پر مقدمات کی سنگینی کے پیش نظر ابتداء میں کافی سختی کی گئی اور مجھ سمیت تمام قیدی جن کی تعداد بارہ یا تیرہ تھی عدالت لیجاتے وقت سب کو ایک ہی زنجیر میں باندھ کر بھیڑ، بکریوں کی طرح عدالت میں لے جایا جاتا اور عدالت پہنچنے کے بعد بھی ہتھکڑیاں نہیں کھولی جاتی تھیں۔جس کی وجہ سے اگر کسی کو پیشاب وغیرہ کی حاجت ہوتی تو بڑی دشواری ہوتی تھی۔

دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی:

ایک دفعہ ہتھکڑی لگانے والوں نے مجھ پر یہ مہربانی کردی کہ میری عدالت چونکہ دوسرے ساتھیوں سے الگ تھی جہاں مجھے پیش ہونا تھا اس لئے مجھے دیگر تمام ساتھیوں کے ساتھ ایک ہی زنجیر میں تو نہیں باندھا گیا البتہ میرے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں باندھ دی گئیں۔جس کی وجہ سے چلنے پھرنے، بیٹھنے، اٹھنے، کھانے، پینے اور پیشاب وغیرہ میں کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

سات دن میں فیصلہ:

20 جون کو تمام ساتھیوں کے ہمراہ میں بھی عدالت میں لے جایا گیا تھا۔ جب رفیق اعوان کی عدالت میں ہم سب کو لے جایا گیا تو وہ منظر دیدنی تھا۔ جانوروں کی طرح ہم سب ایک زنجیر میں بندھے ہوئے تھے۔ سب کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ اس حال میں جب ہم عدالت کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے جو لکڑی کی بنائی گئی تھیں تو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی جھنکار سے عدالت کے در و دیوار گونج

رہے تھے اور یہ جھنکار بزبان حال پکار پکار کے کہہ رہی تھی

نہ گھبراؤ مسلمانو! مصائب کے نظاروں سے

کرو ہمت گزر جاؤ بھنور کے تیز دھاروں سے

میں تو اس سے پہلے بھی خصوصی عدالت میں پیشی پر جایا کرتا تھا لیکن آج دیگر ساتھیوں کے ہمراہ جب عدالت میں پہنچا تو عدالت کا نقشہ بڑا عجیب تھا۔ عدالت کے احاطے میں پولیس ہی پولیس تھی۔ عدالت سے باہر مین روڈ تک پولیس تعینات تھی اور کسی شخص کو آج عدالت میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ سپاہ صحابہؓ کے ان قیدیوں کے رشتہ دار و لواحقین بھی اپنے پیاروں سے ملاقات کیلئے آئے تھے لیکن انہیں عدالت کے احاطے میں داخل نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ ایک ماہ بعد 20 جولائی 1995ء کو رشتہ داروں سے ملاقات کی اجازت دے دی گئی۔

عدالت میں جو قیدی پہلے سے موجود تھے وہ ہمیں حیرت و استعجاب سے دیکھ رہے تھے اس لئے کہ قیدی تو وہ بھی تھے اور دیگر خطرناک قسم کے ملزمان بھی عدالت میں لائے جاتے تھے لیکن سپاہ صحابہؓ کے ان قیدیوں کو جانوروں کی طرح ایک ہی زنجیر میں جکڑے ہوئے دیکھ کر دوسرے قیدی اور خود عدالت کا عملہ بڑی حیرت سے نظارہ کر رہا تھا۔ شاید قریبی رہائش پذیروں کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ آج سپاہ صحابہؓ کے قیدی عدالت میں پہنچ رہے ہیں تو وہ بھی اپنے گھروں اور مکانوں کی چھتوں اور بالکونیوں سے یہ دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے پروپیگنڈہ کیا گیا ہے۔

عدالت میں پیشی کے چند منٹ بعد جج رفیق اعوان کرسی عدالت پر تشریف لائے اور فرد جرم پڑھ کر سنائی جس پر تمام ساتھیوں نے کہا کہ ہم بے گناہ ہیں، ہم نے یہ جرم نہیں کیا۔

جج نے تمام ملزمان سے ایک فارم پر دستخط کروائے اور پھر کہا کہ مجھے سات روز میں آپ کے

مقدمات کا فیصلہ سنانا ہے۔آپ لوگوں کی روزانہ عدالت میں پیشی ہوگی۔

یہ بات پہلے ہی معلوم ہوگئی تھی کہ عدالت سات روز میں فیصلہ سنائے گی اور یہ فیصلہ سزائے موت کی شکل میں ہوگا۔حالانکہ آج ہی مقدمہ کی سماعت کی ابتداء ہوئی تھی لیکن یہ بات زبان زدِعام تھی کہ ان ملزمان کو سات روز بعد سزائے موت سنائی جائیگی لیکن جوں جوں سماعت ہوتی رہی، بات بڑھتی چلی گئی اور جن مقدمات کا فیصلہ سات روز میں ہونے والا تھا، ان مقدمات کی سماعت 5 ماہ اور 6 روز تک جاری رہی اور 27 نومبر 1995ء کو فیصلہ وہی ہوا جو پہلے سے طے تھا۔

مشتاق ولد عبدالغنی کو پھانسی کی سزا:

اس دوران سینٹرل جیل کراچی میں ایک بدنصیب قیدی جسے ایک مقدمہ قتل میں ماتحت عدالت نے سزائے موت سنائی تھی اور پھر ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ نے بھی فیصلے کی توثیق کردی تھی۔مقتول کے ورثاء نے بھی مشتاق کو معاف کرنے سے انکار کردیا تھا جس کی وجہ سے اسے 13 جولائی 1995ء کو صبح 4 بج کر 30 منٹ پر پھانسی دے دی گئی۔

اس موقع پر سنگین نوعیت کے مقدمات والے تقریباً سو قیدیوں کو بھی پھانسی کا یہ منظر دکھایا گیا جسے دیکھ کر بعض قیدی دم بخود رہ گئے بعض قیدیوں نے پھانسی کا المناک منظر دیکھنے کی بجائے دوسری طرف رخ پھیرلیا۔

ایک جیتے جاگتے انسان کے گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈال کر اسے تڑپ تڑپ کر جان دیتے ہوئے دیکھنے کا حوصلہ ہر کسی میں نہیں ہوتا لیکن جیل حکام نے اعلیٰ صوبائی حکومت کے حکم پر بعض قیدیوں کو یہ نظارہ اس لئے کروایا تھا کہ وہ اس عبرتناک موت سے سبق حاصل کریں۔

حافظ! تمہیں بھی اسی طرح پھانسی پر لٹکایا جائے گا:

بدنصیب قیدی مشتاق کے گلے میں پھندہ ڈال دیا گیا تھا اور حسب دستور جیل سپرنٹنڈنٹ آخری

وقت تک کسی اعلیٰ اتھارٹی کے فون کا انتظار کرتے رہے کہ شاید وقت مقررہ تک کوئی فون آجائے اور قیدی کی جان بچ جائے۔

اس منظر کو جہاں بعض دیگر قیدیوں نے دیکھا وہاں محترم حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ کو بھی یہ جگر پاش منظر دکھانے کیلئے پھانسی گھاٹ لے جایا گیا تھا۔ چند لمحوں بعد پھانسی کا ہینڈل کھینچا جانے والا تھا اس موت کی وادی میں جیل سپرنٹنڈنٹ کی گرج دار آواز سنائی دی:

''حافظ! ایک دن تمہیں بھی اسی طرح تختہ دار پر لٹکنا ہوگا''

محترم حافظ صاحب نے سپرنٹنڈنٹ کو تو کوئی جواب نہ دیا لیکن ناموس صحابہؓ کے لئے ہر دکھ درد برداشت کرنے کا قابل قدر جذبہ رکھنے والے حافظ صاحب نے وجدان کی گہرائیوں سے بزبانِ حال کہا:

''ظالمو! وہ اور ہوتے ہیں جو موت سے ڈر کر اپنی راہیں بدل لیتے ہیں ہم تو وہ جانباز ہیں کہ ایسی موت کی تلاش کرتے پھرتے ہیں جو ناموس صحابہؓ جیسے عظیم اور مقدس مشن کی خاطر آجائے۔

صحابہؓ کی غلامی کے سدا ہم گیت گائیں گے
نظربندی و پابندی کو خاطر میں نہ لائیں گے
جو دشمن ہے صحابہؓ کا وہ کافر تھا وہ کافر ہے
یہ نعرہ بر سرِ دار و رسن بھی ہم لگائیں گے

تین ملزمان کی شناخت:

پولیس نے سوسائٹی کیس اور امام بارگاہ محفل مرتضیٰ اور ابوالفضل کیس کو مضبوط بنانے کے لئے انتہائی عیاری سے کام لیتے ہوئے محمد فاضل، خواجہ سلیم الدین اور سید آصف علی کی مقتولین کے لواحقین سے شناخت کروانے کے لئے ایک ڈرامہ رچایا۔ جن گواہوں کو سپاہ صحابہؓ کے ان ملزمان کے خلاف عدالت میں پیش کرنا مقصود تھا انہیں سینٹرل جیل کراچی لایا گیا اور جیل کی بیرکوں سے مذکورہ تین افراد کو بلا

کر ماڑی میں لے جایا گیا جہاں پر ان کے مخالف گواہان پہلے سے موجود تھے۔ جیل حکام نے نشاندہی کردی کہ فاضل، خواجہ سلیم الدین اور سید آصف علی یہ ہیں، انہیں اچھی طرح شناخت کرلو تا کہ کل عدالت میں انہیں پہچان سکو۔

چنانچہ دوسرے روز عدالت میں ان گواہوں نے بڑی آسانی کے ساتھ ان تینوں کو پہچان لیا اور عدالت کے روبرو یہ جعلی بیان دیدیا گیا کہ یہی تین افراد موقع واردات پر موجود تھے اور انہیں تینوں نے فائرنگ کر کے ہمارے لوگوں کو قتل کیا ہے۔

گواہ جھوٹے ثابت ہوگئے:

سپاہ صحابہؓ کے ان ملزمان کے وکلاء قاضی اشرف، محمد رفیق خانزادہ، محمد ارشد لودھی، عمر فاروق ودیگر نے نہایت ہوشیاری سے شناخت کرنے والے ان گواہوں سے سانحہ کی اصل حقیقت جب معلوم کی تو گواہوں کے بیانات میں تضاد پایا گیا جس کی وجہ سے ان کی گواہی غلط ثابت ہوگئی۔

مجھے پتہ نہیں:

عدالتی کاروائی کے دوران اس وقت بڑی دلچسپ صورتحال پیدا ہوگئی جب پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی میں رہنے والے ایک گواہ سے (جو پی آئی بی کالونی کے امام بارگاہ کے سانحہ کے سلسلے میں گواہی دینے آیا تھا) سپاہ صحابہؓ کے وکیل صفائی قاضی اشرف نے پوچھا کہ آپ کے گھر سے پی آئی بی کالونی کتنی دور ہے؟ تو وہ کہنے لگا کہ پتہ نہیں۔

وکیل نے پوچھا کہ جس وقت یہ سانحہ ہوا تو وقت کیا تھا؟ تو گواہ کا جواب تھا، پتہ نہیں۔

وکیل نے پوچھا کہ جس وقت یہ سانحہ ہوا تو رات کا کون سا حصہ تھا؟ تو جواب دیا کہ پتہ نہیں۔

وکیل نے پوچھا کہ ملزمان کے ہاتھ میں کس قسم کا اسلحہ تھا؟ تو جواب دیا کہ پتہ نہیں۔

آخر میں وکیل نے گواہ سے پوچھا کہ آخر تمہیں کسی چیز کا پتہ بھی ہے؟ آپ اپنے گھر کا پتہ جانتے ہیں؟ تو

اس پر جج رفیق اعوان نے کہا کہ بس لکھ دو، پتہ نہیں۔

پولیس کی گواہی:

یہی حال دیگر گواہوں کا تھا کہ وہ اپنی گواہی کو ثابت نہیں کر سکے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک مقدمہ میں پولیس نے ایف آئی آر میں درج کیا تھا کہ ملزمان نے مقتولین پر پولیس کے زیر استعمال گن 9MM سے فائرنگ کی ہے۔

ڈاکٹر کا بیان تھا کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق چھوٹا اسلحہ یعنی پستول، ٹی ٹی یا ریوالور وغیرہ استعمال ہوئے ہیں۔ جبکہ عدالت میں پولیس نے جو برآمد شدہ اسلحہ پیش کیا وہ کلاشنکوف تھی۔ اس طرح اسلحہ کی برآمدگی بھی جھوٹی ثابت ہوئی اور پولیس کی گواہی بھی ناقابل اعتبار ہوگئی۔

پولیس افسران کی رائے:

مقدمات کے گواہان کے بیانات جب قلمبند ہوگئے تو اس کے بعد بعض پولیس افسران کی رائے تھی کہ ان مقدمات میں قانوناً کسی کو بھی سزا نہیں ہوسکتی لیکن چونکہ یہ خصوصی عدالت ہے جو کہ حکومت اپنی مرضی سے چلاتی ہے اس لئے یہاں سے انصاف کی توقع نہیں۔

عدالتی عملہ کی رائے:

گواہوں کے بیانات کے بعد جب صحیح صورتحال سامنے آگئی تو عدالتی عملہ کے بعض افراد نے بھی اپنے رائے دی کہ اگر خصوصی عدالت نے سزا دی بھی تو جن تین ملزمان کو شناخت کیا گیا ہے ان کو سزا ہوسکتی ہے باقی ملزمان پر جرم ثابت نہیں ہوتا۔

سزائے عمر قید:

جیسا کہ پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ 20 جون 1995ء کو جب ملزمان پر فرد جرم عائد

کی گئی تھی تو یہ بات زبان زد عام تھی کہ ان تمام ملزمان کو سزائے موت دی جانے کی توقع ہے لیکن عدالتی کاروائی اور گواہوں کے بیانات کے بعد عدالتی عملہ، پولیس اور دیگر اصحاب رائے کی رائے کافی بدل گئی اور اب ہر شخص کی زبان پر تھا کہ اگر ان کو سزا ہوئی تو سزائے موت نہیں ہوگی بلکہ حکومت کی سفارش پر عمر قید کی سزا اور بعض کو 10،10 سال قید کی سزا ہو سکتی ہے۔

رہائی کی افواہیں:

عدالتی کاروائی کی وجہ سے پورے کراچی میں اور بالعموم ملک کے دیگر حصوں میں یہ افواہیں گردش کرتی رہیں کہ سپاہ صحابہؓ کے لوگ عنقریب رہا ہونے والے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمیں جیل میں رہائی کی تاریخ تک کی اطلاعات دی گئی تھیں۔ خود جیل کا عملہ بھی یہ کہنے لگا کہ یہ لوگ اب جانے والے ہیں لیکن یہ تمام باتیں محض افواہ ثابت ہوئیں اور ہم لوگ رہا نہ کئے جا سکے۔

رہائی کی کوششیں:

مرکزی قائدین علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی، مولانا ضیاء القاسمی، مرکزی صدر سپاہ صحابہؓ شیخ حاکم علی، مولانا اعظم طارق نے ہماری رہائی کے لئے بے حد کوشش کی اور اس سلسلے میں اعلیٰ حکام سے بھی رابطے کئے۔ وزیر داخلہ سے بھی اس موضوع پر گفتگو ہوئی۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کے لوگوں کو عنقریب رہا کر دیا جائیگا۔

مولانا اعظم طارق روپوش ہو گئے:

اسی دوران کھاریاں میں اہل تشیع کی ایک بس پر نا معلوم افراد نے فائرنگ کر کے متعدد مسافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ حکومت نے یہ مقدمہ مولانا اعظم طارق اور مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کے خلاف قائم کر کے ان کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیئے۔ چنانچہ مولانا اعظم طارق کو جماعتی فیصلہ کے مطابق روپوشی اختیار کرنا پڑی۔

مولانا فاروقی کی گرفتاری اور رہائی:

کھاریاں کیس میں چونکہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی سرپرست اعلیٰ سپاہ صحابہؓ پاکستان کو بھی ملوث کیا گیا تھا۔اس لئے انہوں نے روپوش ہونے کی بجائے 28 اگست 1995ء کو رضا کارانہ طور پر گرفتاری پیش کردی۔جس کی وجہ سے سپاہ صحابہؓ پورے ملک میں سراپا احتجاج بن گئی۔ چنانچہ 9 دن بعد 6 ستمبر 1995ء کو انہیں رہا کردیا گیا۔

مولانا اعظم طارق کی گرفتاری:

چند ماہ روپوش رہنے کے بعد مرکزی شوریٰ کے اجلاس کے فیصلے کے مطابق مولانا اعظم طارق نے 26 جون 1995ء کو آئی جی آفس پشاور میں گرفتاری پیش کردی۔

پنجاب اسمبلی معطل اعظم طارق رہا:

مولانا اعظم طارق کی گرفتاری کے تقریباً 2 ماہ بعد 6 ستمبر کو پنجاب اسمبلی توڑ دی گئی اور مرکزی حکومت نے نئے وزیراعلیٰ کے لئے اراکین اسمبلی سے جوڑ توڑ شروع کردیا۔سپاہ صحابہؓ کے پاس پنجاب اسمبلی کے دو ممبر ریاض حشمت جنجوعہ اور شیخ حاکم علی تھے۔حکومت نے سپاہ صحابہؓ کے مرکزی قائدین سے درخواست کی کہ وہ پنجاب اسمبلی میں ہماری حمایت کریں ہم تمہارے کارکنوں کو رہا کردیں گے۔قائدین نے جواب دیا کہ اس کا فیصلہ ہم مولانا اعظم طارق کے مشورے کے بغیر نہیں کرسکتے۔جب تک انہیں رہا نہیں کیا جاتا ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ سپاہ صحابہؓ کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے 11 ستمبر 1995ء کو مولانا اعظم طارق رہا کردیئے گئے۔

جونیجو لیگ کی حمایت کا فیصلہ:

مولانا کی رہائی کے بعد مرکزی عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ سپاہ صحابہؓ نے پہلے بھی

پنجاب کی سطح پر مسلم لیگ جونیجو گروپ کا ساتھ دیا ہے لہٰذا اب بھی جونیجو لیگ کا ساتھ دیا جائے گا۔

پی پی نے ابتداء میں وزیر اعلیٰ کے لئے اپنا امیدوار نامزد کیا تھا لیکن بعد میں جونیجو لیگ اور پی پی نے مشترکہ طور پر عارف نکئی کو وزیر اعلیٰ کے لئے منتخب کرلیا۔ سپاہ صحابہؓ کی حمایت بھی انہی کو حاصل تھی۔ لہٰذا وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ منتخب کر لئے گئے۔

شیخ حاکم علی صوبائی وزیر بن گئے:

عارف نکئی نے سپاہ صحابہؓ کے دو ووٹ حاصل کرنے کا بدلہ اتارتے ہوئے صدر سپاہ صحابہؓ پاکستان شیخ حاکم علی کو وزیر برائے ماہی پروری بنا دیا۔ چونکہ مرکزی حکومت نے یہ دیکھ لیا تھا کہ سپاہ صحابہؓ کا جھکاؤ جونیجو لیگ کی طرف ہے اور اگر مشترکہ امیدوار کھڑا نہ کیا جاتا تو سپاہ صحابہؓ پی پی کے امیدوار کو ووٹ کبھی نہ دیتی۔ چنانچہ اس غصہ کی وجہ سے مرکزی حکومت نے سپاہ صحابہؓ کے قائدین سے پنجاب اور کراچی کے تنظیمی قیدیوں کی رہائی کا وعدہ پورا نہ کیا۔

مولانا اعظم طارق کی عمرہ پر روانگی اور کراچی واپسی:

مولانا اعظم طارق نے رہائی کے بعد محترم حافظ احمد بخش ایڈوکیٹ سمیت تمام گرفتار شدگان کی رہائی کے لئے ایک بار پھر کوشش شروع کردی۔

اسی دوران 25 اکتوبر 1995ء کو وہ عمرہ کی ادائیگی کے لئے سعودی عرب چلے گئے اور 12 نومبر 1995ء کو واپس کراچی پہنچے۔ ادھر شیخ حاکم علی بھی کراچی پہنچ چکے تھے اور اسی روز بعد نماز ظہر جامع مسجد صدیق اکبرؓ ناگن چورنگی میں کارکنوں کی بڑی تربیتی نشست سے خطاب کیا۔

مولانا کی جیل میں کارکنوں سے ملاقات:

13 نومبر 1995ء کو مولانا ہم سے ملاقات کے لئے سینٹرل جیل کراچی تشریف لائے ان کے ہمراہ مرکزی صدر شیخ حاکم علی اور مولانا عبداللہ خان تھے۔ جیل میں انہوں نے میرے علاوہ محمد الیاس

زبیر، محترم حافظ احمد بخش ایڈوکیٹ اور سوسائٹی کیس کے تمام ملزمان سے ملاقات کی اور انہیں ہر طرح سے تسلی دی۔

اسی روز شام 4 بجے مولانا اور شیخ صاحب نے وزیر اعلیٰ سندھ سید عبداللہ شاہ سے ملاقات کا وقت طے کیا تھا لیکن ہم سے ملاقات کے بعد جب یہ حضرات وزیر اعلیٰ ہاؤس پہنچے تو پتہ چلا کہ وزیر اعلیٰ اچانک بیمار ہوگئے ہیں اس لئے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ دوسرے روز یہ حضرات پنجاب روانہ ہو گئے۔

مرکزی قائدین کی دوبارہ گرفتاری:

کچھ روز بعد بہاولپور میں پی پی کے ایک اہم ترین عہدیدار کے قتل کا سانحہ پیش آگیا۔ قتل ہونے والا چونکہ شیعہ تھا اس لئے مذہبی اختلاف کی بناء پر 22 نومبر 1995ء کو مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی اور مولانا اعظم طارق کو پھر گرفتار کر لیا گیا اور سندھ میں سپاہ صحابہؓ کے تمام دفاتر سیل کر دیئے گئے۔ لہٰذا کراچی کے قائدین و کارکنان کی رہائی کا مسئلہ ایک بار پھر کھٹائی میں پڑ گیا۔

خصوصی عدالت کا فیصلہ

سزائے موت

سوسائٹی کیس، محفل مرتضٰی اور ابوالفضل کیسز کی کئی ماہ سماعت کے بعد 21 نومبر 1995ء کو فائلیں بند کردی گئیں اور سپاہ صحابہؓ کے اسیر راہنماؤں و کارکنوں کو فیصلہ سنانے کے لئے 23 نومبر کو تاریخ دیدی۔

23 نومبر کو اسیران سپاہ صحابہؓ ذہنی طور پر اپنے آپ کو ہر فیصلے کے لئے تیار کر کے انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت میں پہنچے۔ لیکن اس روز عدالت نے بتایا کہ ابھی فیصلہ نامکمل ہے اس لئے اب آئندہ 27 نومبر کو فیصلہ سنایا جائے گا۔

میری حالت زار:

23 نومبر کو اسیران سپاہ صحابہؓ تو عدالت چلے گئے لیکن میری کیفیت یہ تھی کہ کبھی نوافل پڑھ کر بارگاہ رب العزت میں ساتھیوں کی رہائی کے لئے دعا کرتا، کبھی سجدے میں سر رکھ کر اللہ کے حضور رو رو کر التجائیں کرتا، کبھی بارگاہ خداوندی میں ہاتھ بلند کر کے اپنی کمزوری اور اس کی بالاتری کا اعتراف کرتے ہوئے دعائیں مانگتا کہ یا اللہ! میرے ساتھیوں کو سنایا جانے والا فیصلہ ہمارے لئے باعث مسرت ہو۔ جب ہمارے اسیر ساتھی شام کو عدالت سے واپس آئے تو میں اس وقت بھی دار القرآن کی مسجد میں تھا اور ساتھیوں کے لئے دعائیں مانگ رہا تھا۔ اسی اثناء میں ہمارے ایک اسیر ساتھی اسد یعقوب دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کے ساتھی عدالت سے واپس آگئے ہیں اور انہیں 27 نومبر کی تاریخ دی گئی ہے۔ چنانچہ میں بیرک میں جا کر ساتھیوں سے ملا تو انہوں نے بتایا کہ فیصلہ 27 نومبر تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔

تاخیر کی وجہ:

بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ عدالت ابھی تک کسی حتمی فیصلے تک نہیں پہنچی تھی۔ سپاہ صحابہؓ کے ان اسیروں کے خلاف ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں پروپیگنڈہ خوب کیا گیا تھا۔

فیصلے سے پہلے ہی ان کو دہشت گرد کہا جا رہا تھا۔ پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ نے ان ساتھیوں کے مقدمات کو خوب اچھالا تھا لیکن جب ان مقدمات کی عدالت میں سماعت ہوئی تو مقدمات بے کار، جھوٹے اور بوگس ثابت ہوئے، گواہوں کے بیانات اور استغاثہ کی کہانی میں تضاد تھا، ڈاکٹروں کے بیانات مشکوک تھے۔ اس لئے اب حکومت کیلئے بڑی پیچیدگی پیدا ہوگئی کہ اگر ان ملزمان کو بری کر دیا جائے تو حکومت کی بدنامی ہوگی کہ جن لوگوں کے خلاف دہشت گردی کے الزامات لگا کر پوری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹا گیا ہے وہ تو سب بے گناہ ثابت ہوگئے اور اگر سزا دی جائے تو اس کے لئے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

انصاف کا جنازہ:

چنانچہ 23 نومبر تک حکومت وانتظامیہ عجیب کشمکش کا شکار تھی کہ کیا کیا جائے؟

خصوصی عدالتوں کے قیام کا مقصد سیاسی مخالفین کو کچلنا ہوتا ہے اس لئے حکومت اپنی مرضی کے جج مقرر کرتی ہے جن کی حیثیت محض شوپیس کی ہوتی ہے وہ فقط مہرے ہوتے ہیں۔ جنہیں انتظامیہ عوام کے سامنے لاتی ہے جبکہ فیصلہ حکومت وانتظامیہ کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں۔

بعض وکلاء نے بتایا کہ ان خصوصی عدالتوں میں اگر کوئی شخص بے گناہ ثابت بھی ہو جائے تو بھی اسے سزا ہی دی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان عدالتوں کو مدعی، گواہ، تفتیشی افسر وغیرہ کے بیانات سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ سب کے بیانات کے بعد یہ عدالتیں انتظامیہ سے پوچھتی ہیں کہ اب کیا فیصلہ کرنا ہے؟ چنانچہ جو ہدایت ملتی ہے عدالت وہی فیصلہ کرتی ہے۔

فیصلے کی تاریخ:

بالآخر 27 نومبر 1995ء تاریخ پاکستان کا وہ سیاہ ترین دن بھی آ گیا کہ جس روز امریکن ایمبیسی کے قریب انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت سے انصاف کا جنازہ اٹھایا جانا تھا۔ اس روز فجر کی نماز سے پہلے سے شہر میں بارش ہو رہی تھی، موسم ابر آلود تھا، بادلوں اور بارش کی رم جھم کی وجہ سے موسم کافی اداسگی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اسیران سپاہ صحابہ کو عدالت لے جانے کیلئے جیل حکام نے دار القرآن اور سیکورٹی نمبر 2 سے بلایا، انہیں حسبِ سابق بیڑیاں لگائی گئیں اور ہتھکڑیاں پہنا کر عدالت روانہ کر دیا گیا۔

عدالت کا منظر:

اسیران سپاہ صحابہؓ جب عدالت پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ عدالت کے احاطے میں اور عدالت کے باہر مین روڈ تک مکمل ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ ہر طرف پولیس ہی پولیس تھی۔ عدالت کے ارد گرد پولیس کی نئی چوکیاں بنائی گئیں تھیں۔ عدالت میں پہنچنے کے بعد اسیروں کے ساتھ کسی شخص کو ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

تھوڑی دیر بعد تمام اخبارات کے نمائندے، فوٹو گرافرز اور ٹی وی کا عملہ بھی کیمروں کے ہمراہ پہنچ گیا۔ اسیروں کی تصاویر بنائی گئیں اور پھر عدالت میں انہیں پیش کر دیا گیا۔ اسیروں کی عدالت میں پہنچنے کے چند منٹ بعد جج رفیق اعوان چیمبر سے نمودار ہوئے اور کرسی عدالت پر براجمان ہوتے ہی حسب ذیل فیصلہ صادر کر دیا۔

''جرم ثابت ہونے پر سوسائٹی کیس، ابو الفضل اور محفل مرتضیٰ کیسز میں حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ، صغیر احمد شیخ، منصور علی بابر، کریم اللہ شریف، گلزار احمد، سید آصف علی، احمد ظہور، محمد احمد، محمد فاضل، خواجہ سلیم الدین، ڈاکٹر عمر حیات اور دو مفرور ملزمان فہیم اور آصف کو سزائے موت سنائی جاتی ہے اور سید اشتیاق علی کو شک کا

فائدہ دیتے ہوئے بری کیا جاتا ہے۔"

عدالت سے واپسی اور پھانسی وارڈ:

چونکہ اسیروں کو اس قسم کے ظالمانہ فیصلے کی پہلے ہی توقع تھی اور محترم حافظ احمد بخش ایڈوکیٹ تمام اسیروں میں بڑے ہونے کے ناطے انہیں سمجھاتے رہتے تھے کہ اس عدالت سے ہمیں انصاف کی کوئی توقع نہیں اس لئے جو بھی فیصلہ ہو ہمیں ثابت قدمی سے اس فیصلہ کو سننا ہے اور اپنے حواس کو قابو میں رکھنا ہے۔

چنانچہ ناموس صحابہؓ کے لئے جدوجہد کرنے والے ان اسیروں نے اس فیصلے کو ثابت قدمی سے سنا اور بزبانِ حال دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

یہ منصف بھی تو قیدی ہیں ہمیں انصاف کیا دیں گے
لکھا ہے ان کے چہروں پر جو ہم کو فیصلہ دیں گے
ہمیں تو شوق ہے اہلِ جنوں کے ساتھ چلنے کا
نہیں پروا ہمیں یہ اہلِ دانش کیا سزا دیں گے

آج پوری عدالتی کاروائی کی تصاویر بنائی گئی تھیں خاص طور پر ٹی وی کا عملہ اپنے تمام تر ساز و سامان کے ساتھ لیس ہو کر آیا تھا۔ اس کاروائی کی پوری فلم شام 5 بجے اور پھر رات کو 9 بجے کی خبروں میں ٹی وی پر دکھائی گئی۔

فیصلے کے فوراً بعد ان اسیروں کو جیل کی گاڑی میں واپس جیل لایا گیا۔ پولیس کی چھ موبائلیں اور پولیس کے اعلیٰ افسران جیل تک ان اسیروں کی گاڑی کے ساتھ آئے۔ جیل میں پہنچتے ہی ماڑی کو عام قیدیوں اور ملاقاتیوں سے خالی کروالیا گیا تھا۔ ان سزایافتہ اسیروں کے لئے فی الفور مخصوص لباس پہنا کر سیدھا پھانسی وارڈ منتقل کر دیا گیا۔

سزا یافتہ قیدیوں کا لباس:

یہ لباس کھدر کے کافی موٹے کپڑے کا بنایا جاتا ہے۔ایک کرتہ شلوار اور ٹوپی پر مشتمل یہ لباس ایسا سادہ طرز پر بنایا جاتا ہے کہ کرتے کے بٹن بھی کپڑے کے بنے ہوتے ہیں۔شلوار میں ازار بند کی جگہ پتلون کی طرز کے کپڑے کے بنے ہوئے بٹن استعمال ہوتے ہیں۔کرتے کے کالر نہیں ہوتے اور نہ ہی کرتے میں کوئی جیب ہوتی ہے۔

جیل میں سناٹا:

سپاہ صحابہؓ کے ان سزا یافتہ اسیروں کے جیل پہنچنے اور انہیں سزائے موت ہو جانے کی اطلاع جیسے ہی جیل میں پہنچی تمام قیدی سکتے میں رہ گئے۔پوری جیل میں سکوت طاری تھا۔جیل میں موجود ہر شخص کی زبان پر تھا "یہ زیادتی ہوئی ہے"۔

اخبارات نے بھی اس فیصلے کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ یہ فیصلہ پاکستان کی عدالتی تاریخ کا انوکھا فیصلہ ہے۔اس لئے کہ پاکستان کے قیام سے لے کر آج تک کبھی کسی عدالت نے اس طرح اجتماعی طور پر 13 ملزمان کو سزائے موت نہیں سنائی لیکن ظالم حکمرانوں کے احکامات کے سامنے عدالت بھی جھکنے پر مجبور ہوگئی اور اس نے 13 افراد کو بیک جنبش قلم سزائے موت کا فیصلہ سنا کر عدل وانصاف کا جنازہ نکال دیا۔کسی شاعر نے صحیح کہا ہے:

شاہین اڑا قیدی پرندوں کو بتا کر
ٹکراؤ سلاخوں سے اڑو خون میں نہا کر
بازو پہ بھروسہ ہے تو انصاف نہ مانگو
اس دور میں پچھتاؤ گے زنجیر ہلا کر

پھانسی وارڈ

ماڑی سے جب جیل میں داخل ہوتے ہیں تو سامنے جیل کا باورچی خانہ ہے جہاں پوری جیل کے قیدیوں کے لئے کھانا تیار ہوتا ہے۔ باورچی خانہ کے پیچھے قدرے دائیں جانب پھانسی وارڈ ہے۔ جہاں سزائے موت والے قیدیوں کو رکھا جاتا ہے۔

اس وارڈ کے قیدیوں کا ہر طرح سے خیال رکھا جاتا ہے۔ ان کی ضروریات ان تک باقاعدگی سے پہنچائی جاتی ہیں۔ اس وارڈ میں پندرہ چکیاں (کمرے) ہیں۔ جن میں قیدی 23 گھنٹے بند رہتے ہیں صرف ایک گھنٹہ کے لئے انہیں چکیوں سے باہر نکال کر صحن میں چہل قدمی کا موقع دیا جاتا ہے۔
غسل خانہ اور بیت الخلاء کا انتظام چکیوں کے اندر ہی ہوتا ہے جن کی صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اور جیل کے برداشتی (خدام) ان کی صفائی، دھلائی اور پورے وارڈ کی صفائی، ستھرائی باقاعدگی سے کرتے رہتے ہیں۔

سزائے موت کے قیدیوں سے ملاقات:

جیل میں عام قیدیوں کی ملاقات کے لئے باقاعدہ ملاقات روم بنایا گیا ہے جہاں قیدی اپنے لواحقین اور احباب سے ملاقات کے لئے لائے جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض قیدی ماڑی میں بھی ملاقات کیلئے لائے جاتے ہیں لیکن پھانسی وارڈ کے قیدیو کی ملاقات کے لئے ان کے وارڈ کے اندر ہی ایک مخصوص کمرہ متعین کیا گیا ہے۔ جب کسی قیدی کی ملاقات کا پیغام آتا ہے تو اس قیدی کو مخصوص کمرے میں بٹھا دیا جاتا ہے اور کمرے کا آہنی گیٹ جس میں فاصلے فاصلے سے لوہے کی سلاخیں لگی ہوتی ہیں بند کردیا جاتا ہے۔ قیدی کمرے کے اندر اور ملاقات کرنے والے باہر بیٹھ جاتے ہیں۔ دروازے کی سلاخیں اتنی کھلی ہیں کہ ان میں سے پانی کا گلاس گذر سکتا ہے۔
اگر خدانخواستہ کسی قیدی کی سزائے موت کو ہائیکورٹ بھی برقرار رکھے اور سپریم کورٹ بھی ماتحت

عدالتوں کے فیصلوں کی توثیق کردے تو پھر آخر میں صدر مملکت سے قیدی رحم کی اپیل کرتا ہے اور صدر مناسب سمجھیں تو وہ مقتول کے ورثاء سے قیدی کو معاف کرنے درخواست کرتے ہیں۔ اگر وہ معاف نہ کریں تو عدالت اس قیدی کی سزائے موت پر عملدرآمد کے لئے بلیک وارنٹ جاری کردیتی ہے جس پر سزائے موت کے عملدرآمد کی تاریخ تحریر ہوتی ہے۔

روزانہ ملاقات:

عموماً تمام قیدیوں سے ہفتہ میں ایک مرتبہ لواحقین واحباب ملاقات کرسکتے ہیں لیکن بلیک وارنٹ جاری ہونے کے بعد پھانسی لگنے تک روزانہ ملاقات کی اجازت دے دی جاتی ہے اور جب قیدی کی زندگی کا آخری روز ہوتا ہے تو اس روز اس کے تمام ملاقاتیوں کو سارا دن ملاقات کی اجازت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ ملاقات رات کو تقریباً 11 بجے تک جاری رہتی ہے تاکہ زندگی کی آخری شب کو وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے ملاقات کرسکے۔

پھانسی کا وقت:

رات کو 11 بجے کے بعد قیدی کو آرام کا وقت دیا جاتا ہے لیکن جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ کل صبح تختہ دار پر لٹکنا ہے اس کے لئے آرام کیسا؟ وہ تو پوری رات جاگ کر اور بارگاہ رب العزت میں دعا واستغفار میں گذار دیتا ہے۔

علی الصبح تقریباً 3 بجے قیدی کو جگایا جاتا ہے اور اسے غسل کرنے کا اور تہجد وغیرہ پڑھنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس سے آخری وصیت لکھوائی جاتی ہے اور بعدازاں اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ کر اور سر اور چہرہ پر سیاہ ٹوپ پہنا کر پھانسی گھاٹ لے جایا جاتا ہے۔ تقریباً ساڑھے چار بجے صبح عموماً پھانسی کا وقت مقرر ہے۔ اس متعین وقت سے چند منٹ پہلے قیدی کو پھانسی کے تختہ پر کھڑا کر کے اس کے گلے میں پھندا ڈالا جاتا ہے اور اس وقت مقررہ تک سپرنٹنڈنٹ جیل اس

بات کا پورا اہتمام کرتا ہے کہ اگر وقت مقررہ سے پہلے صدر پاکستان یا کسی قابل قبول اتھارٹی یا مقتول کے لواحقین کی طرف سے قیدی کو معاف کرنے کی کوئی خبر آجائے تو قیدی کو سزائے موت سے بچالیا جائے۔

اگر وقت مقررہ تک کسی طرف سے معافی کی کوئی اطلاع موصول نہیں ہوتی تو سپرنٹنڈنٹ جیل ماتحت حکام کو پھانسی کا ہینڈل کھینچ دینے کی ہدایت کر دیتا ہے اور قیدی اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

دارالقرآن میں سوگ کی کیفیت:

اسیران سپاہ صحابہؓ کے خلاف خصوصی عدالت کے فیصلہ کی اطلاع ہمارے یہاں دارالقرآن میں دوپہر ساڑھے بارہ بجے پہنچی تو ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ہمیں یہ تو معلوم تھا کہ خصوصی عدالتوں کے فیصلے گواہوں کے بیانات یا استغاثہ وغیرہ کے پابند نہیں ہوتے بلکہ ان عدالتوں کے فیصلے حکومت و انتظامیہ کی صوابدید پر ہوتے ہیں۔ اس لئے خیال تھا کہ ہمارے ساتھیوں کو کچھ نہ کچھ سزا تو ضرور ملے گی لیکن یہ بات ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ سوائے ایک کے باقی سب کو سزائے موت دیدی جائے گی۔

ہماری حیرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان مقدمات کی پوزیشن بالکل خراب تھی اور اگر عدل وانصاف کے اصولوں کے مطابق فیصلہ کیا جاتا تو تمام اسیر باعزت بری ہوتے لیکن جب ہم نے یہ افسوسناک خبر سنی کہ انہیں سزائے موت دی گئی ہے تو اس جانبدارانہ، غیر منصفانہ اور انتقامی فیصلہ سنانے پر قاضی عدالت کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہا تھا۔

دارالقرآن میں ہمارے تمام ساتھیوں کا اس فیصلہ پر ذہنی کرب واضطراب میں مبتلا ہونا فطری امر تھا۔ اس روز ہر ساتھی کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ دارالقرآن کے دوسرے قیدی بھی اس اضطراب میں ہمارے ساتھ شریک تھے اور باری باری آکر ہمیں تسلیاں دے رہے تھے۔ محترم حافظ

صاحب نے کچھ روز دارالقرآن میں گزارے تھے۔ان کے حسن اخلاق اور شرافت سے یہاں کا ہر قیدی متاثر تھا۔اس لئے جب یہ فیصلہ دارالقرآن کے قیدیوں نے سنا تو سکتے میں رہ گئے اور ہر قیدی کی زبان پر تھا اللہ انہیں باعزت رہائی دلائے اور حکام کو عقل وخرد کے ناخن عطا کرے کہ وہ ظلم وعدوان کو چھوڑ کر عدل وحریت کے موتی اس قوم میں تقسیم کریں۔آمین

تمام سنی ماؤں، بہنوں، بزرگوں، نوجوانوں اور کارکنوں کے نام

سپاہ صحابہؓ کے اسیر راہنماؤں کا کھلا خط

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کرچکا ہے تو امتحاں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آسان نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ بخوبی جانتے ہیں ہمارے اور آپ کے بزرگوں نے ایثار وقربانی کی عظیم تاریخ رقم کر کے پاکستان اس لئے حاصل کیا تھا کہ یہاں سرورکونینؐ کے لائے ہوئے پسندیدہ دین اسلام کو عملاً نافذ کیا جائے گا جس کی عدیم النظر مثلا خلفاء راشدینؓ نے اپنے زریں دور میں پیش کر کے دکھائی۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا اور 48 سال سے ہم فرنگیوں، یہود ونصاری اور دیگر اقوام مغرب کے غلام بن کر مقصد تخلیق پاکستان اور شہداء تحریک پاکستان سے مسلسل غداری کرتے چلے آرہے ہیں اور راہنمایان قوم اسلام کا مقدس نام استعمال کر کے کبھی سوشلزم اور کمیونزم کے نفاذ کی باتیں کرتے رہے اور کبھی زبان اور علاقے کی بنیاد پر ہمیں لڑاتے رہے یہاں تک کہ بعض دینی تنظیمیں بھی اپنے اصل ہدف کو چھوڑ کر حالات کی رو میں بہنے لگیں اور ملک میں نظام اسلام کے نفاذ کی مخلصانہ جدوجہد کرنے والوں کیلئے بدنامی کا سبب بن گئیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج اخلاص وللہیت کے مقدس جذبے سے سرشار دینی تنظیموں کو بھی بدنام کرنے کے لئے امریکہ کی ناپاک ذہنیت نے ان کی کردارکشی کا وہ طومار کھڑا کردیا کہ ہماری اپنی حکومتیں بھی اس

سے متاثر ہوکر علماء کرام، دینی مدارس اور دینی تنظیموں کے خلاف مہم جوئی پر مجبور ہوکر اپنے پیروں پر کلہاڑیاں چلانے لگ گئیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں یہود ونصاری کو مسلمانوں کا دشمن کہا ہے اوران سے دوستانہ مراسم قائم کرنے سے روکا ہے۔

''اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔'' (پ6 سورۃ المائدہ)

لیکن ہمارے حکمرانوں نے نہ صرف یہ کہ یہود ونصاریٰ سے دوستانہ تعلقات قائم کئے بلکہ اپنے اسلامی ملک میں مذہبی تنظیموں کے خلاف مغربی پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر بنیاد پرستی، اسلامی عسکریت پسندی اور مذہبی انتہا پسندی جیسی اصطلاحات استعمال کر کے دینی تنظیموں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے امریکہ سے مدد حاصل کرنے کی ذلت تک کو بخوشی گوارا کرلیا۔

آپ نے کبھی سوچا کہ آخر مذہبی انتہا پسند اور بنیاد پرست وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی قوت ایمانی، شوق شہادت اور جذبہ جہاد سے افغانستان میں روسی جارحیت کو ناکوں چنے چبوائے، جنہوں نے آزادئ کشمیر کے لئے بھارتی درندوں سے ٹکر لی اور پوری جرأت، پامردی اور استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے چیچنیا میں علم جہاد بلند کئے ہوئے ہیں۔ جن کی جہادی سرگرمیوں کی وجہ سے پوری دنیا میں مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہورہے ہیں اور آج امریکہ سمیت متعدد غیر مسلم ممالک میں اسلامی سوچ کو تقویت مل رہی ہے۔

سپاہ صحابہؓ ان جہادی سرگرمیوں کو نہ صرف محبت کی نگاہ سے دیکھتی ہے بلکہ سپاہ صحابہؓ کے سینکڑوں کارکن افغانستان، کشمیر، بوسنیا، چیچنیا اور دیگر محاذوں پر کفر کے خلاف برسرپیکار ہیں۔

ملت اسلامیہ کو ہر دور میں جہاں کھلے دشمنوں نے نقصان پہنچایا وہاں تاریخ ہمیں کچھ ایسے آستین کے سانپوں کی نشاندہی بھی کرتی ہے جنہوں نے اسلام کا نام لے کر اسلام اور ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچایا اور آج تک پہنچا رہے ہیں۔ ملت اسلامیہ ان کی اسلام دشمن سازشوں سے بے خبر دنیا میں اسلام کو

روشناس کرانے کے لئے کوشاں تھی، جبکہ اس دوست نما دشمن سے ملت کو باخبر رکھنا انتہائی ضروری تھا جس کو منظر عام پر لاتے ہوئے ملت کے بہی خواہ گھبرا رہے تھے تو سپاہ صحابہؓ پاکستان کے نائب سرپرست اعلیٰ علامہ محمد اعظم طارق نے پاکستان کی قومی اسمبلی میں اس مار آستین کی سازشوں کے خلاف بڑے موثر انداز میں آواز اٹھائی اور اراکین اسمبلی پر یہ واضح کر دیا کہ جو طبقہ قرآن کریم کو تحریف شدہ مانتا ہے، اپنے بارہ اماموں کا رتبہ انبیاء سے بلند مانتا ہے، زنا کو ثواب اور جھوٹ کو ایمان کا حصہ سمجھتا ہے، جس کا کلمہ، وضو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اذان اور دینیات تک مسلمانوں سے الگ ہے اس کا اسلام اور مسلمانوں سے تعلق چہ معنی دارد؟

یہ مؤقف صرف سپاہ صحابہؓ ہی کا نہیں بلکہ مختلف ادوار کے مفتیان عظام اور اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کے جید اور محقق علماء کرام بھی ایسے لوگوں کو اسلام کا وفادار نہیں مانتے جو حضور ﷺ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے والے صحابہ کرامؓ اور بالخصوص حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ کو گالی دینا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔

مولانا محمد اعظم طارق نے قومی اسمبلی کے مختلف اجلاسوں میں اپنے خطاب کے دوران اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ ناموس صحابہؓ و اہل بیتؓ کے تحفظ کے لئے جب تک ''ناموس صحابہؓ و اہل بیتؓ بل'' کو منظور کر کے توہین صحابہؓ کے مرتکب کے لئے سزائے موت کا قانون پاس نہیں کیا جاتا ملک سے مذہبی قتل و غارت گری کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔

آپ نے دیکھا کہ سپاہ صحابہؓ کی اس پارلیمانی جدوجہد کو روکنے کے لئے سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر سپاہ صحابہؓ کے خلاف سازشیں تیار کی گئیں اور صرف کراچی میں ہمارے 100 سے زیادہ کارکنوں کو خون میں نہلا دیا گیا۔ سینکڑوں بچوں کے سروں سے باپ کا سایہ چھین لیا گیا اور حال ہی میں ہم پر من گھڑت اور جھوٹے مقدمات قائم کر کے جیلوں میں ٹھونس دیا گیا اور سپاہ صحابہؓ کے بعض ذمہ داروں کو

زبردستی غلط قسم کے بیانات دینے پر مجبور کر دیا گیا اور من مانے بیانات دلوائے گئے اور من گھڑت بیانات کے ذریعے انہیں ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور دیگر ذرائع سے بدنام کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی۔ خطرناک دہشت گردوں کی فہرست میں سپاہ صحابہؓ کے بے گناہ راہنماؤں کی تصاویر شائع کر کے عوام کو یہ تاثر دیا گیا کہ سپاہ صحابہؓ دہشت گردی کی راہ پر گامزن ہے۔ حالانکہ واللہ! ایسا نہیں ہے جبکہ سرکاری عقوبت خانوں میں ہمارے بعض ساتھیوں اور کارکنوں پر بے تحاشا تشدد کر کے ان سے زبردستی یہ بیانات لئے گئے کہ "ہم نے بڑوں کے کہنے پر شہر میں لوگوں کا خون بہایا ہے۔"

اور یہ بیانات کیسٹ میں ریکارڈ کر کے دوسرے عقوبت خانوں میں مقید ذمہ داروں کو سنائے گئے اور ان پر بھی وحشیانہ تشدد کر کے یہ کہنے پر مجبور کر دیا گیا کہ تم ان بیانات کی تصدیق اپنی زبان سے کرو ورنہ تمہیں جان سے مار دیا جائے گا۔

اس طرح کی ظالمانہ کاروائیوں کے ذریعے کارکنوں اور راہنماؤں سے بیانات لے کر انہیں اخبارات ورسائل میں شائع کروایا گیا جبکہ ان میں سے کسی بھی بیان کا حقیقت سے تعلق نہیں۔

سپاہ صحابہؓ ایک مذہبی تنظیم ہے۔ ہم نے ہمیشہ اس نسبت کی لاج رکھتے ہوئے امن وسلامتی کا راستہ اختیار کیا ہے اور امن وامان کے قیام کے لئے ہمیشہ انتظامیہ سے تعاون کیا ہے جس کی تصدیق انتظامیہ کے بعض افسران ابھی تک کرنے پر مجبور ہیں لیکن جب سپاہ صحابہؓ کے صدر قاری سعید الرحمٰن اظہر کی المناک شہادت کا سانحہ پیش آنے کے بعد ہم نے قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا تو انتظامیہ نے سرد مہری اور روایتی غفلت کا ثبوت دیتے ہوئے قاتلوں کی گرفتاری میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ جس پر ہم نے احتجاجاً 18 دسمبر 1994ء کو کراچی شہر میں ہڑتال کا اعلان کر دیا جسے اہلیان کراچی نے توقع سے زیادہ کامیاب بنا کر عملاً ہمارے مطالبات کی تائید کر دی۔ ہڑتال کی کامیابی نے امریکہ نواز حکمرانوں کی نیندیں اڑا دیں اور انہوں نے سپاہ صحابہؓ کی اس عوامی تائید اور مقبولیت کو زائل کرنے کے لئے راہنماؤں پر قتل، اغواء،

ڈکیتی اور بلوہ جیسے قبیح اور جھوٹے مقدمات قائم کر کے انہیں سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا اور اس تمام تر کاروائی میں انتظامیہ کے بعض اعلیٰ افسران انتہائی اہم کردار ادا کر رہے ہیں اور موجودہ حکومت نے سپاہ صحابہؓ کو کچلنے کے لئے امریکی امداد بھی طلب کر لی ہے جس کا واضح ثبوت امریکی ایجنسیوں کا پاکستان میں لوگوں کی گرفتاری کے لئے گھروں پر چھاپے مارنا اور ایف بی آئی کی طرف سے مولانا اعظم طارق کو امریکہ کے حوالے کرنے کا مطالبہ ہے۔ لیکن ہمارا ضمیر مطمئن ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ سپاہ صحابہؓ کے خلاف حکمرانوں کا جھوٹا پروپیگنڈہ تار عنکبوت ثابت ہوگا، سنی عوام اسلام دشمن سازشوں کے خلاف اور زیادہ جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کریں گے اور سپاہ صحابہؓ کے خلاف مظالم و شدائد کی پالیسی روا رکھنے پر امریکہ نواز حکمرانوں پر یہ واضح کر دیں گے کہ

خون دل سے کرنکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

ہمیں امید ہے کہ ہمارے اس خط سے آپ کے دل و دماغ میں سپاہ صحابہؓ کے خلاف پیدا ہونے والی غلط فہمیاں اور حکومتی پروپیگنڈے کے اثرات یقیناً زائل ہوگئے ہوں گے۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین ثم آمین۔

مصائب میں الجھ کر مسکرانا اپنی عادت ہے
ہمیں ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا

منجانب: حافظ احمد بخش ایڈووکیٹ
مرکزی قانونی مشیر سپاہ صحابہؓ پاکستان
سیکریٹری سپاہ صحابہؓ صوبہ (سندھ)
و دیگر اسیران ناموس صحابہؓ سینٹرل جیل کراچی

دوران اسیری لکھی جانے والی نظمیں

عزم نو

چمن کا رنگ گو تو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخِ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا

کہ دسمبر کی 18 تھی 94 عیسوی سن تھا
کہ زنداں میں گئے لیکن نہ ہم نے کارواں بدلا

ہمیں ہتھکڑیاں پہنائی گئیں اور بیڑیاں لیکن
رہے ثابت قدم پھر بھی نہ لحہ بھر ایماں بدلا

ہم پابند سلاسل تھے مگر جھنگوی سے لحہ بھر
نہ ہم نے بیوفائی کی نہ ذوق دوستاں بدلا

ہمیں جورو جفا سے تم نہیں حق سے ہٹا سکتے
کہ ظلم و جور نے دیں سے کب کس کو کہاں بدلا

ستم ہنس ہنس کہ سہہ لیں گے مگر مؤقف نہ بدلیں گے
کہ طوفانوں کا رخ ہم نے ہمیشہ اے ناداں بدلا

وہ ہونگے اور ڈر جائیں جو جیلوں کی صعوبت سے
کہ ہم نے تو وہاں جاکر وہاں کا بھی سماں بدلا

نہ الجھو حکمرانو تم کبھی ہم حق پرستوں سے
جو ٹکرایا ہے ہم سے وہ یقیناً حکمراں بدلا

ہماری جنگ جاری ہے، رہے گی تا ابد ان سے
جنہوں نے اپنا کلمہ، دین، ایمان و قرآن بدلا

ہمیں ثابت قدم رکھنا خدایا حق پرستی پر
حوادث کے تھپیڑوں نے ہے رنگ آسماں بدلا

رہے جھنگوی مشن جاری ندیم اب تو قیامت تک
کہ جس نے پورے عالم میں رخِ پیرو جواں بدلا

استقامت

مصائب لاکھ بڑھ جائیں عزائم کم نہیں ہوتے
یہ وہ سر ہیں جو کٹ جاتے ہیں لیکن خم نہیں ہوتے

ہو منزل دور جن لوگوں کی شب سے ہی وہ اٹھتے ہیں
وہ راہ سے غافل کبھی یکدم نہیں ہوتے

ہمیں اسکی ہے کیا حاجت کہ گھبرائیں مصائب سے
کہ منزل تک رسائی میں کیا زیر و بم نہیں ہوتے

کبھی تم دیکھنا وہ بھی ضرور اک روز روئیں گے
تڑپتا دیکھ کر جو آج ہمیں پرنم نہیں ہوتے

ہمیں جتنا دباؤ گے ہم اتنا ہی ابھریں گے
مظالم سے جبر سے ہم کبھی بے دم نہیں ہوتے

جنہیں خطرہ ندیم اپنے خزانے کے ہو لٹنے کا
کبھی گھر کی نگہبانی سے وہ بے غم نہیں ہوتے

قیدی کے جذبات

آؤ تمہیں سناؤں میں جیل کی کہانی
قیدی کی زندگی بھی غلامی کی ہے نشانی

یادیں ستا رہی ہیں احباب کی یہاں پر
قسمت نے ہم کو پھینکا ہے لا کے یہاں کہاں پر
کس سے کریں گلہ ہم ہے کس کی ستم رسانی

آزاد پنچھیوں کی مانند تھے جہاں میں
سوچا نہ تھا کبھی بھی کہ آجائیں گے زنداں میں
آئی گھڑی ہے مشکل ہم پر یہ ناگہانی

دستور اس نگر کا دنیا سے ہے نرالا
سب ہیں یہاں برابر ادنیٰ ہو یا اعلیٰ
قیدی کی ہے یہاں پر قیدی پہ حکمرانی

جس سمت دیکھتا ہوں ہیں جیل کی دیواریں
کوئی نہیں ہے مونس کس کو یہاں پکاریں
کیسے کٹے گی یارب قیدی کی زندگانی

مایوسیوں نے ایسا مجبور کردیا ہے
کہ رو رو کے ہم نے آنکھوں کو بے نور کرلیا ہے
برباد ہوگئی ہے حسرت بھری جوانی

ایمان ہے کہ اک دن آزاد ہونگے ہم بھی
جائیں گے گھر خوشی سے ہونگے غلط یہ غم بھی
اٹھ جائیگا یہاں سے جس روز دانہ پانی

مولا ندیم تجھ سے فریاد کررہا ہے
چرچے سے تیرے دل کو آباد کررہا ہے
دے دے آزادی ہم کو کردے تو مہربانی

قیدی کی عید

عید کے روز شاداں و فرحاں
سب مسلمان نظر آرہے ہیں

قیدی کی ہے مگر آنکھ پرنم
بے بسی کے جو غم چھا رہے ہیں

کاش ہم بھی جو آزاد ہوتے
لوٹتے عید کی ہم بہاریں

جیل میں اقرباء دوستوں کی
ہم جدائی کا غم کھارہے ہیں

عید تو ہے حقیقت میں ان کی
ہیں جو خوش بخت اپنے گھروں میں

رنگ برنگے جو کپڑے سجا کر
عیدگاہ کی طرف جارہے ہیں

عید ہوتی ہے آزادیوں میں
قید میں ہے خوشی عید کی کیا؟

اس لئے تو ہیں دلگیر سب ہم
چہرے ساروں کے مرجھا رہے ہیں

رسم دنیا ہے آپس میں ملنا
عید کے روز سب دوستوں سے

قیدیوں سے بغلگیر ہوکر
دل کو یوں ہم بھی بہلا رہے ہیں

موجزن دل میں سب قیدیوں کے
بے بسی بے کسی کے طوفاں

موسلا دھار آنکھوں سے آنسو
آج برسات برسارہے ہیں

ہوں وہ برباد ظالم جنہوں نے
عید کی چھینیں خوشیاں ہماری

جیل میں ہم کو ڈالا مگر خود
عیش و عشرت سے پی کھا رہے ہیں

کون جانے ہے دکھ قیدیوں کا
کتنے ارماں ہیں دل میں ہمارے

دور کر سر ہمارے سے مولا!
غم کے سائے جو منڈلا رہے ہیں

کررہا ہے ندیم التجا یہ
اب تو دے دے رہائی ہم کو

بھردے رحمت سے اپنی خدایا
خالی دامن جو پھیلا رہے ہیں

سپاہ صحابہؓ کے اسیروں کے خلاف خصوصی عدالت کا

فیصلہ

27 نومبر 1995ء بروز پیر

ہے فیصلہ خوب سنایا، خصوصی عدالت نے
انصاف کا خون بہایا، خصوصی عدالت نے
جھوٹے تھے وہ کیس جو پولیس نے بنادیئے ظلم و ستم کے بازار ہیں لگادیئے
پھر حوصلہ ان کا بڑھایا، خصوی عدالت نے
عدالت خصوصی ہے بنائی سرکار نے مرضی پھر اپنی چلائی سرکار نے
سرکار کا گیت ہے گایا، خصوی عدالت نے
عدالت نہیں یہ زرداری اسکیم ہے پی پی کے جیالوں کی جیالی اک ٹیم ہے
ہے کیسا اندھیر مچایا، خصوی عدالت نے
سنو تم حاکمو یہ بات کان کھول کر سچ ہم کہتے ہیں خوب ناپ تول کر
قانون کا منہ چڑایا، خصوی عدالت نے
گیارہ افراد کو سزائے موت دی گئی ظلم کی رقم اک داستان کی گئی
خود ظلم کو بھی شرمایا، خصوی عدالت نے
گیارہ افراد میں احمد ظہور ہیں گلزار احمد اور منصور ہیں
بھائی احمد کو بھی پھنسایا، خصوی عدالت نے
قائد ہمارے احمد ایڈوکیٹ بھی سید آصف علی ہیں آف لالوکھیت بھی
فاضل کو بھی ساتھ ملایا، خصوی عدالت نے

ڈاکٹر عمر حیات کو کریم کو شیخ صغیر اور خواجہ سلیم کو

ہے دہشت گرد بنایا، خصوی عدالت نے

موت کا یہ فیصلہ جو تم نے سنا دیا سینوں کے جذبات کو ہے بھڑکا دیا

ہے ناحق، حق کو دبایا، خصوی عدالت نے

ہرگز موت سے نہ ہم گھبرائیں گے سنی کاز کے لئے ہر دکھ سہہ جائیں گے

ہے خوب ہمیں تڑپایا، خصوی عدالت نے

چیلنج ہے تم کو اے بے ضمیر حاکمو جرأت ہے تو راستہ ہمارا پھر روک لو

ہے ہوش تمہارا اڑایا، خصوی عدالت نے

بھول ہے تمہاری تم ہم کو مٹاؤ گے اتنا ہی ابھریں گے جتنا دباؤ گے

ہے خوب ہمیں آزمایا، خصوصی عدالت نے

چاہا رب پاک نے تو تالے سب ٹوٹیں گے جیل سے ہمارے یہ اسیر سب چھوٹیں گے

بے جرم جنہیں الجھایا، خصوی عدالت نے

مولا ندیم کی دعائیں منظور کر دین کے سپاہیوں کے سارے دکھ دور کر

ہے جن کو خوب ستایا، خصوی عدالت نے

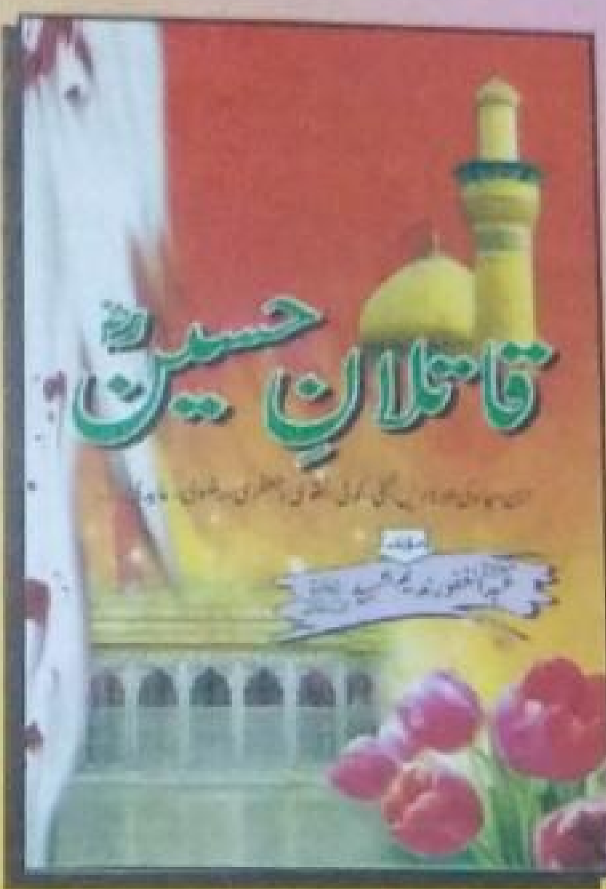
قاتلانِ حسین

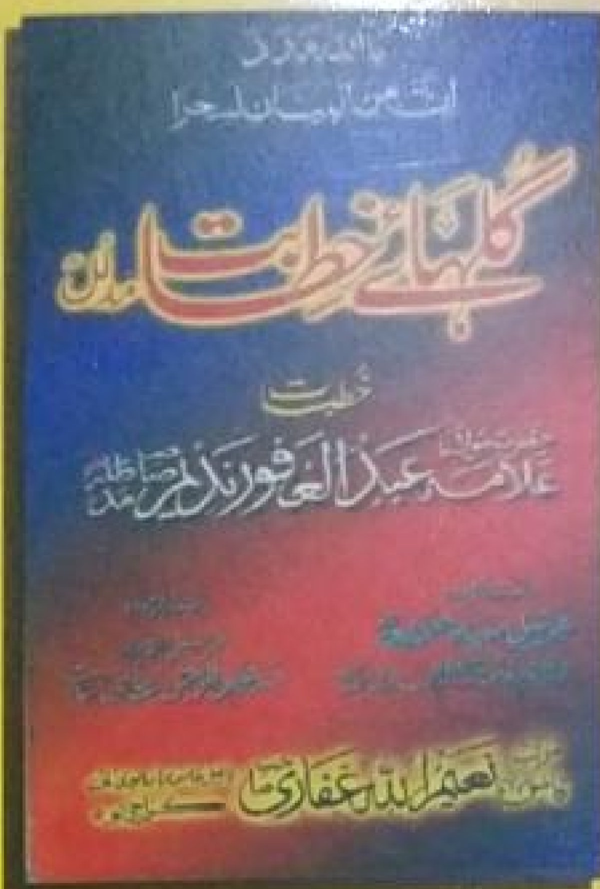
گلہائے خطابت

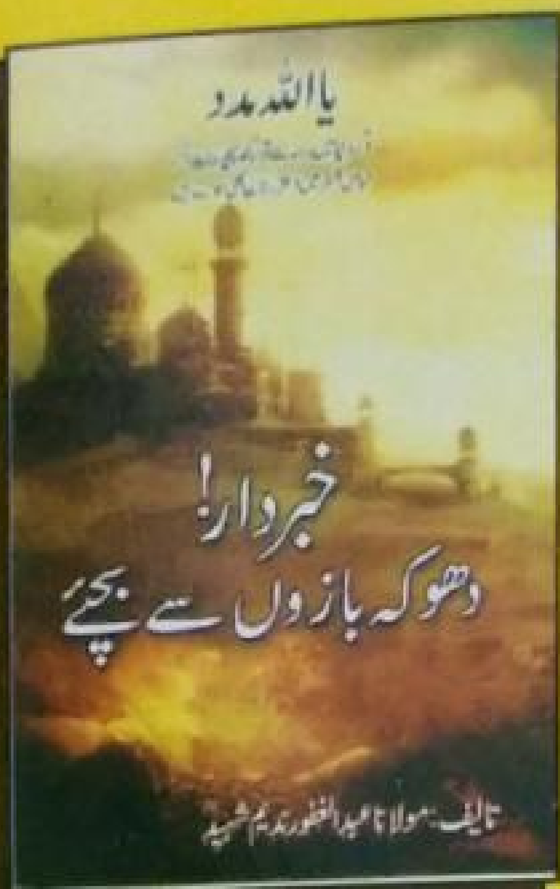
یا اللہ مدد
خبردار!
دھوکہ بازوں سے بچیے
تالیف: مولانا عبدالغفور ندیم شہید

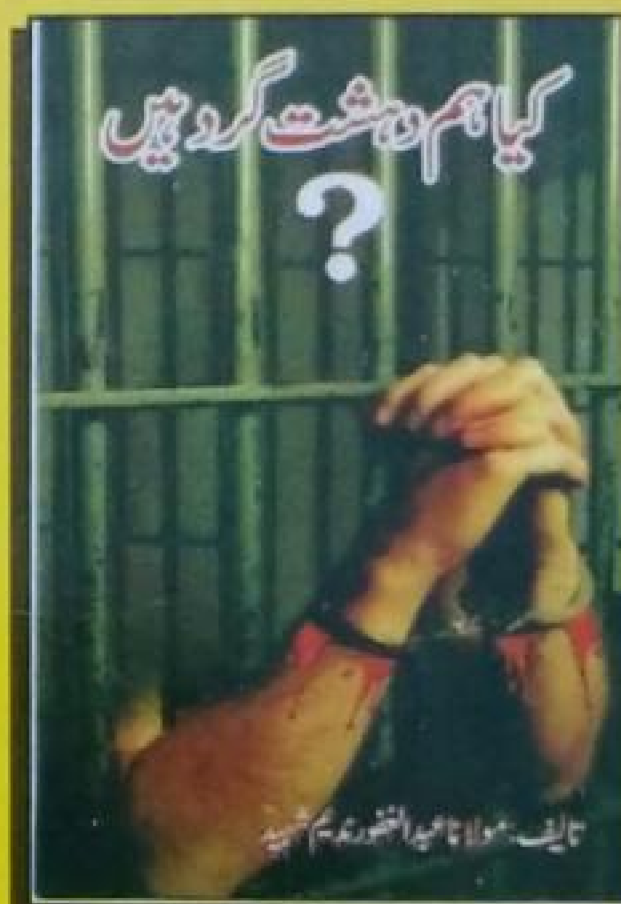
کیا ہم دہشت گرد ہیں
؟
تالیف: مولانا عبدالغفور ندیم شہید

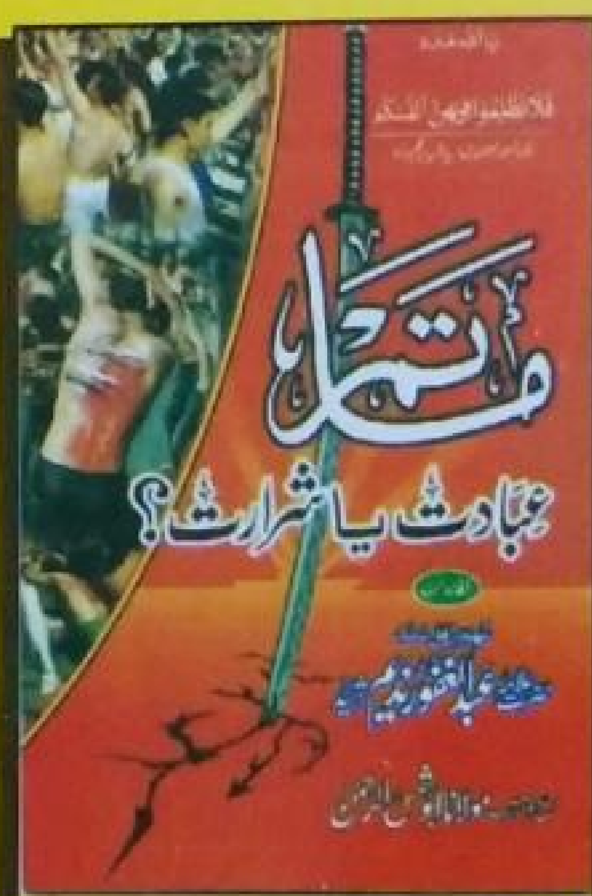
ماتم
عبادت یا شرارت؟

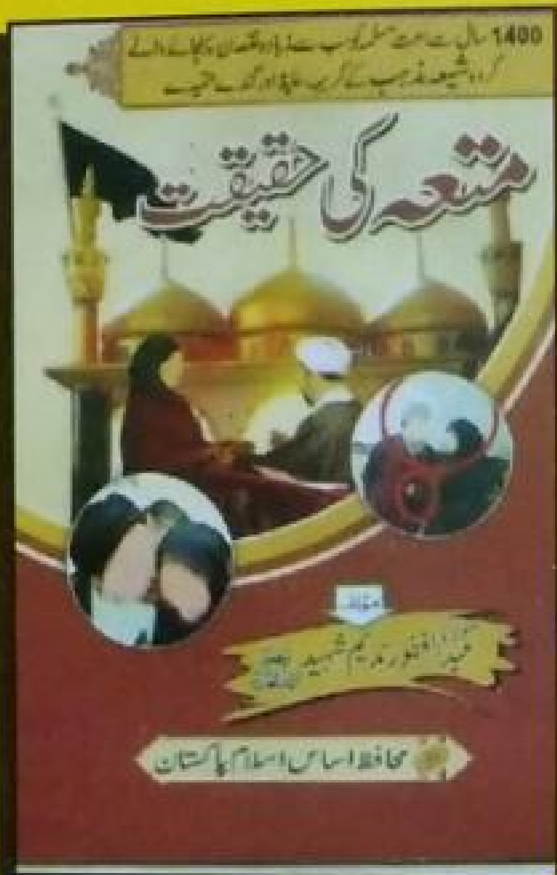
متعہ کی حقیقت
محافظ اساس اسلام پاکستان

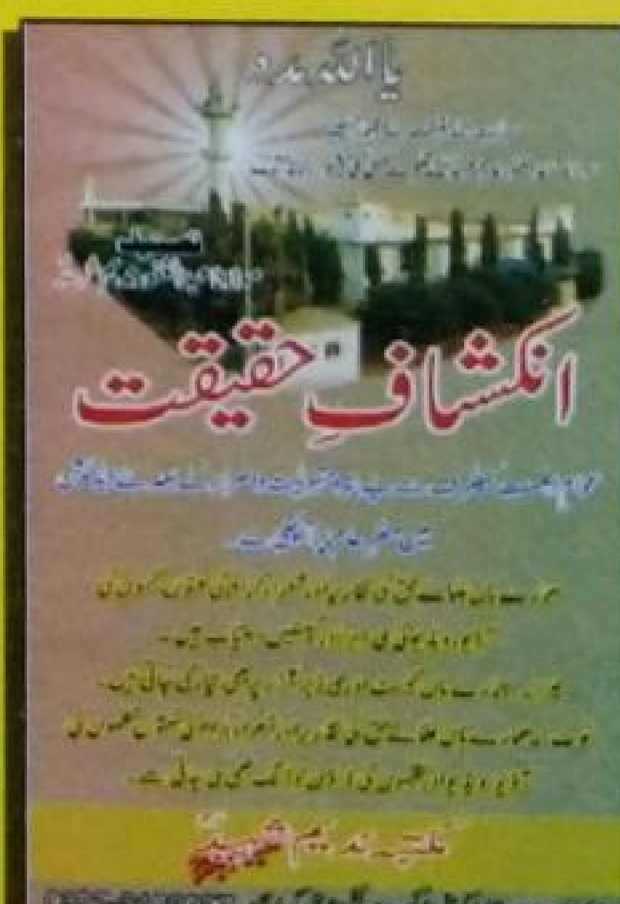
یا اللہ مدد
انکشافِ حقیقت

گلہائے خطابت
جلد دوم

یا اللہ مدد
حیاتِ ندیم شہید